خیامِ آتش

مرتبہ

سید منتظر جعفر جعفری

کتب خانہ اثنا عشری چوک لکھنؤ

فہرست مضامین

عرض ناشر

محترم ناظرین ۔ سلام علیکم

بحمد اللہ آج ہم اپنے گذشتہ وعدے کو پورا کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں۔ ہماری چوتھی پیش کش آپ کے سامنے ہے۔ اس مجموعہ میں شام غریباں سے واپسی مدینہ تک کے رقت آمیز مصائب کا تذکرہ ہے۔ اس سے قبل کا گلدستہ "تپتا صحرا" میں ہجرت امام حسینؑ عصر عاشور تک کے درد انگیز مصائب کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں مجموعے کربلا کے واقعات پر مشتمل ایسے گرانقدر ہیں جو محبان آل محمد اور عزاداران امام مظلوم کے لئے معلومات کے اضافہ کے ساتھ ساتھ نئے ذاکروں کے لئے بھی نہایت مفید ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ محترم ناظرین ان مجموعوں کو پسند فرمائینگے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں خرید فرما کر ہمیں مزید خدمت کا موقع دیں گے اور اپنے مفید مشوروں سے یاد فرمائیں گے جو خامیاں رہ گئی ہوں انکی نشاندہی فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

فقط والسلام

سید محمد مہدی رضوی

مجلس اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطیب پاکستان علامہ رشید ترابی صاحب قبلہ مدظلہ العالی آف پاکستان

ـــــ اذہب اللہ عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا۔
اما بعد فقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی محکم کتابہ الحکیم
افغیر دین اللہ یبغون ولہٗ اسلم من فی السمٰوٰت
والارض طوعاً و کرہاً و الیہ یرجعون ٥

ارشاد رب العزت ہے۔ کیا خدا کے دین کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہو۔ ہر شے آسمانوں اور زمینوں میں۔ وہ اطاعت سے ہو یا کراہت سے اور سب کو اس کی بارگاہ کی طرف رجوع ہونا ہے اور یہی اس کی عبادت ہے۔ ہر شئی اپنی زبان استعداد سے اس کی تسبیح

میں مصروف ہے۔ ہر شئے اپنے فرائض کو ادا کئے جا رہی ہے سراسر
وجود کائنات اس کے امر اس کی مرضی مظہر ہے۔ لیکن جہاں سے حیات
شعور شروع ہوتی ہے جہاں سے عقل و ادراک کا آغاز ہوتا ہے۔
وہاں انسان اپنی مرضی کو آگاہ رکھنا چاہتا ہے یہ جان کر اور یہ معلوم
رکھتے ہوئے۔ جس نے انسان کو انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا ہے۔
انسان حیات کے ہر گوشے کو اپنی مرضی کا تابع رکھنا چاہتا ہے۔ پھر
اس انسان نے ہر دور میں شرع انبیاء کی مخالفت کی فقط اس لئے کہ
انبیاء انسانوں کی ہوا ہوس کے تابع نہ تھے تاریخ انسان گواہ ہے جب
کبھی انبیاء آئے۔ جو مرضی الٰہی کے نمائندے تھے تو انسانوں نے ان کا
مذاق اڑایا۔ جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا۔ جو تمہاری
ہوس پر چل نہ سکا کسی کو تم نے جھٹلایا۔ کسی کو تم نے قتل کیا۔ جو مرضیٔ
الٰہی کے آئینہ دار ہو کر انسان کو برائی سے باز رکھیں۔ نیکی کے نزدیک
کریں حق و باطل کا علم عطا کر کے بندوں کو بارگاہ رب العزت کی بندگی
کے راستوں پر ڈال دے سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔ کہ اللہ کبھی
صاحبان ایمان کو اسی حال پر نہیں چھوڑے گا۔ جب تک یہ نہ بتلا دے
کہ خبیث کیا ہے اور طیب کیا ہے اور نہ تم کو غیب کا علم عطا کیا
ہے۔ تم اپنی مرضی سے پاک ناپاک کی تمیز کر لو بلکہ بندوں میں سے

رسول اور رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے مجتبیٰ کر لیتا ہے۔

تاکہ اللہ کی پسند ناپسند کو بندوں تک پہنچا دیں۔.........

بلکہ انسانوں نے سب سے پہلی غلطی کی مجتبیٰ اور مصطفیٰ بندوں کا قیاس اپنی ذات پر کیا اور اپنی طرح ان کو جان کر ان کے حکم میں خدا کے حکم میں فرق پیدا کرنے کی کوشش کی چنانچہ سورہ نساء کی پچاسویں آیت گواہ ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُولٰئِکَ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ــــ

جنھوں نے اللہ سے کفر کیا اور رسولوں کا انکار کیا وہ ارادہ کرتے ہیں کہ رسولوں میں اور خدا میں فرق ڈال دیں اور کہتے ہیں بعض پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور چاہتے ہیں درمیانی راہ اختیار کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی کافر ہیں۔ امر رسول امر خدا ہے اطاعت رسول اطاعت خدا ہے۔ بیعت رسول بیعت خدا ہے۔ مرضی رسول مرضی خدا ہے۔ رسول کی معصیت معصیت خدا ہے۔ رسول کا ناراض ہونا اللہ کا ناراض ہونا ہے جس نے رسول کو ایزا دی اس نے خدا کو ایزا دی۔..

اگر کوئی رسول کے امر کو اس کی مرضی کو اس کے قوانین کو اسکی
شریعت کو تسلیم نہیں کرتا تو گویا رب العزت کی عین مرضی کو تسلیم نہیں
کرنا چاہتا۔ مزاج مسلم میں اعتدال اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے
جو احکام رسول کا پابند ہے اور اگر عدم اطاعت رسول سے یہ اعتدال
بگڑ جائے تو مسلم مجرم ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ افنجعل المسلمین
کالمجرمین۔ کیا ہم مسلم اور مجرم دونوں کو ایک کر دیں گے ذات
رسالت نے آیت قرآن کی تلاوت ہی نہیں کی بلکہ نفوس انسانی کا
تزکیہ فرمایا ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دی ہے۔ حکمت کا تقاضہ یہی
ہے کہ افراد میں عدل رہے۔ اجتماع میں عدل رہے شخصی زندگی میں
اعتدال رہے اور اجتماعی زندگی میں ظلم نہ آنے پائے ہوا و ہوس انسانی
کی مطابقت ظلم ہے اور صریح ظلم ہے۔ لیکن اطاعتوں کے آنے کے باوجود
انبیاء بھی قتل ہوتے رہے اور وہ انسان بھی قتل کئے گئے جو قیام
عدل چاہتے تھے۔ سورہ آل عمران کی اکیسویں آیت گواہ ہے اِنَّ
الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ
الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ
اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔

یا۔ جو لوگ آیت الٰہی کی تکذیب اور تکفیر کرتے ہیں اور انبیاء کو قتل کرتے ہیں۔ اور انسانوں میں ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو عدل کا حکم دیتے رہے ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچا دو۔ دنیا و آخرت میں ان کا عمل ضبط ہو جائے گا اور ان کا کوئی مدد کرنے والا نہیں رہے گا۔ سرکار دو عالم ختمی مرتبت محمد مصطفےٰ صلعم کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ تسلیم مطلق کی راہوں پر انسان آجائے جو اپنے نفس پر ظلم کرے اور نہ بندگان خدا پر ظلم کرے اور نہ دین حق کو بھی تحقیق کر کے بنائے ظلم ڈالے یہی تربیت رسول خاتم نے اپنے نواسے حسینؑ ابن علی کو دی تھی کہ سلسلہ ہدایت میں جب ان کی ذمہ داری کا وقت آیا تو محافظ شریعت بن کر نظام عدل کو قائم رکھنے کی کوشش کرے دین کا مزاج عدل ہے ظلم بے دینی ہے محمدؐ کا نواسہ اٹھائیس رجب ۶۰ھ کو مدینے سے اس علم و آگاہی کے ساتھ نکلتا ہے کہ میں نانا کے دئیے ہوئے آئین کی حفاظت کرنے کے لیے منتخب کیا جا چکا ہوں اور اس وقت میرا قیام ضروری ہے بہنوں بچوں بھائیوں اور عزیزوں کو ساتھ لے کر تیسری شعبان کو مکہ معظمہ پہنچے آپ آٹھ ذی الحجہ کو یہ کہہ کر مکہ سے نکلے کہ کہیں کوئی نادان مکہ میں میرا لہو بہا کر حرمت خانۂ کعبہ کو زائل نہ کر دے خطرناک راہوں سے گزرتے ہوئے دوسری

محرم کو زمین کربلا پر آئے چوتھی کو خیمے حسین کے دریا سے اٹھا دیے گئے کوفہ سے لشکر پر لشکر آئے اور حسین ابن علی محصور ہوتے چلے گئے ساتویں سے پانی بند کیا اور نویں کو امام ہر طرف سے گھیر لئے گئے شب عاشور امام نے خطبہ دیا اور فرمایا بیعت فاسق ناممکن ہے جس کو جانا ہو چلا جائے جس کو میرا ساتھ دینا ہو وہ رہے۔ اس لئے کہ آج میرے لیے مر جانا سعادت ہے۔ اور ظلم کرنے والوں کے ساتھ زندہ رہنا ذلت بھی اور ندامت بھی حسینؑ کبھی ذلت کی زندگی کو قبول نہیں کر سکتے پھر عاشور سے لشکروں میں صف آرائی ہوئی ہزاروں سے بہتر کی لڑائی تاریخ آدم عالم میں یادگار ہو گئی بار بار پوچھتے تھے کیا میں نے کوئی شریعت میں تبدیلی کی ہے کیا میں نے کسی کا لہو بہایا ہے کیا میں نے آئین اسلام کو بدل دیا ہے آخر مجھے کیوں قتل کرتے ہو مگر ہوا ہوس کے تابع صرف ملوکیت اور شاہی کے دم ساز و ہمراز تھے۔ ایک ایک ساتھی صبح سے لڑنے کے لیے جاتا شہید ہوتا حسین اس کی لاش اٹھا کر لاتے۔ حبیب ابن مظاہر گئے مسلم ابن عوسجہ شہید ہوئے۔ زہیر ابن قین مارے گئے۔ عزیزوں کی باری آئی تو کبھی بھتیجے قاسم کی لاش کو پامال سم اسپاں دیکھا اور کبھی زینب کے جگر کے ٹکڑوں کو خون میں نہائے دیکھا کبھی عباس

کو دریا پر رخصت کیا اور کٹے ہوئے بازو دیکھے۔ کبھی علی اکبرؑ کے سینے پر برچھی کا پھل دیکھا۔ اور نکالا تو جوان کا کلیجہ دیکھا۔ علی اکبر نے باپ کی آغوش میں دم توڑا کبھی چھ مہینے کے بچے کو بارگاہ رب العزت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی اور چہرے پر علی اصغر کا لہو مل کر ایک ننھی سی قبر کھودی اور بچے کو دفن کیا۔ سب کو خدا حافظ کر کے اب راہ حق میں سجدہ آخر کے لیے چلے کربلا میں عصر کا وقت ہے سر سے لے کر قدم تک زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے۔ زمین پر سجدہ کیا اور آواز دی۔ صبراً بقضائہ و تسلیماً لامرہ و صبراً علی بلائہ لا۔ میں تیری قضا پر راضی ہوں۔ میں تیرے امر کے لیے تسلیم ہی کی منزل پر فائز ہوں میں تیرے ہر امتحان میں صبر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور پناہ چاہنے والوں کو پناہ دینے والے ایسے میں عصر کا وقت ختم ہوا اور حسین کا سر نوک نیزہ پر آیا خیمے جلے بچوں نے طمانچے کھائے۔ کربلا کے میدان میں شام ہوئی۔ یہی ہے شام غریباں جب بھرا گھر زہرا کا اُجڑ گیا۔ بچوں کو ان کے عزیز ان کے بزرگ ان کے چچا ان کے پدر گرامی یاد آئے خصوصاً سکینہ بی بی باپ کے سینے پر سونے والی گھر بھر کی آنکھوں کا تارا جس کا کرتا جلا ہوا تھا جس کے کانوں سے خون بہہ رہا تھا بابا کو پکارتے ہوئے چچا کو ڈھونڈتے ہوئے

مقتل میں آگئیں۔ رات آدھی کے قریب پہنچ رہی تھی شہزادی زینب حیران تھیں، جلے ہوئے خیموں میں بچی کو ڈھونڈ چکی تھیں پکار رہی تھیں بی بی سکینہ کہاں ہو۔ ڈھونڈتی ہوئی ایک نشیب کی طرف چلیں کیا دیکھا ایک گھڑسوار اپنے گھوڑے کو دریائے فرات سے پانی پلا رہا ہے زینب اس سے مخاطب ہوئیں۔ اے گھوڑے سوار تو نے ادھر کسی بچی کو تو نہیں دیکھا گھوڑے سوار نے کہا نہیں اے معظمہ میں نے کسی بچی کو نہیں دیکھا۔ ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرا گھوڑا پانی پی رہا تھا۔ اس نشیب سے ایک بچی کے رونے کی آواز آ رہی تھی جس سے میرا گھوڑا پانی نہیں پی رہا تھا زینب اس نشیب کی طرف سکینہ سکینہ کہتی ہوئی چلیں اب زینب قتل گاہ میں آئیں دیکھا کہ سکینہ اپنے بابا کی لاش سے لپٹی ہوئی رو رہی ہے اور بین کر رہی ہے بابا خیمے جل گئے۔ بابا میری چادریں چھن گئیں بابا دشمن خیموں میں گھس آئے بابا آپ نے جو گوشوارے پہنائے تھے وہ طمانچے مار کر چھین لئے گئے بابا میرے رخسار نیلے ہیں اور کان زخمی ہے۔ پھر زینب نے آواز دی سکینہ رات ہو گئی ہے اب گھر چلو بیٹی گھبرا کر کہا اے پھوپھی اماں میرے بابا اکیلے ہیں ہائے زینب ـــ خدا کسی کو ایسا بیکس نہ بنائے۔ اور اب کون تھا جو زینب کو سہارا دیتا ـــ کون تھا جو زینب کے درد کا اندازہ کرتا۔

ہاں اتنا ضرور ملتا ہے کہ علی کی بیٹی نے کسی کو آتے ہوئے دیکھا۔ آواز
دی اے سوار ادھر نہ آ۔ ہمارے بچے دکھ درد اُٹھا کر ابھی ابھی
سوئے ہیں۔ ہمارے خیمے جل چکے ہیں۔ اگر تجھے کچھ لینا ہے تو صبح
کو آ کر جو کچھ ہو لے جانا۔ علی کی بیٹی فریاد کر رہی ہے۔ سوار کچھ نہیں
سنتا۔ آگے بڑھتا ہی چلا آتا ہے ایک مرتبہ سوار جیسے ہی قریب آیا
شیر ذوالجلال کی بیٹی کو جلال آ گیا بڑھ کر لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا
اے سوار میں بار بار کہہ رہی ہوں اور تو سنتا نہیں ارے میرا عباس
شہید ہو گیا میرا اکبر نہ رہا میرے عون و محمد نہیں ہیں میرا قاسم پامال
ہو گیا۔ تو کیا یہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل بے بس ہو گئی۔ یاد رکھ میں علی
کی بیٹی ہوں علی کی۔ یہ سُننا تھا کہ ایک مرتبہ سوار نے نقاب الٹ
دی۔ ارے زینب تو نے نہیں پہچانا میں تیرا باپ علی ہوں۔ باپ کا
چہرہ دیکھنا تھا زینب قدموں پر گر گئیں۔ بابا اب آئے خیمے جل گئے بابا
اب آئے جب چادریں چھین گئیں بابا اب آئے جب بھیا کے گلے پہ خنجر
چل گیا۔ بابا اس وقت کہاں تھے جب سکینہ طمانچے کھا رہی تھی۔ اصغر
کا جھولا ویران ہو رہا تھا۔ سیدانیاں بے والی و وارث ہو رہی تھیں۔ بابا
نے بیٹی کی داستان سُنی آواز دی زینب ٹھہرو زینب اب تم بیٹھو باپ
نگرانی کرے گا۔ (تمام شُد)

دوسری مجلس

(عالیجناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ)

میں ماہ محرم کی اس تاریک اور اداس رات کے پردہ میں عالم
انسانیت کے ہر انصاف پسند دل سے سوال کر رہا ہوں اور میرا خطاب
اس وقت ہر اس انسان سے ہے جس نے کبھی اسلام کے مظلوم، بیکس
مگر باہمت ایمان کے دھنی حسینؑ ابن علیؑ کے کارناموں پر گہری نظر
ڈالی ہو۔ کیا کوئی انصاف پسند مجھ کو عالم کی کوئی ایسی ہستی بتا سکتا ہے
جس نے اصول کی پابندی، مذہب کی حمایت میں ظلم و جور کا اس ثبات
قدم کے ساتھ مقابلہ کیا ہو جس طرح حسینؑ نے کیا جس کے نتائج و اثرات
سے دنیا یوں انگشت بدنداں ہو جس طرح حسینؑ کی شہادت کے اثرات و
نتائج نے انگشت بدنداں کر دیا۔ اسلام کی معجز نما کتاب قرآن مجید نے
کسی انسان کی مدح کرتے ہوئے ارشاد کر دیا تھا و وصینا الانسان!

ہم نے انسان کو سمجھا دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے وہ انسان۔ ماں کو اس وقت بھی غم ہوا۔ جب وہ بطنِ مادر میں آیا اور اُس وقت بھی صدمہ اُٹھانا پڑا جب وضعِ حمل ہوا۔ یہی انسان جب چالیس برس کے سِن تک پہنچا تو اُس نے دعا کی کہ مجھ کو اپنا شکر گزار بندہ قرار دے اور میری مدد کر کہ میں کوئی ایسا بہترین کام کر جاؤں جس سے تو راضی ہو جائے۔ تعبیر بتاتی ہے کہ یہ انسان حسینؑ تھے جن کی چالیس برس کے سِن کی دعا ۱۸ برس کے بعد پوری ہوئی اور ۶۱ہجری میں اس مظلوم انسان نے وہ کارِ نمایاں کیا جس سے تمام عالمِ انسانیت لرز گیا۔ غم و الم کی گھٹائیں تمام دنیا پر چھا گئیں مگر اُن بادلوں نے اشکِ عزا کے ساتھ ساتھ مدح و ثنا کے گہر اس مظلوم و بیکس پر نچھاور کرنا شروع کئے اور دلی تاثر کے ساتھ ہر زبان اظہارِ رضا پر مجبور ہو گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب سے دنیا قائم ہوئی اُس وقت سے اب تک اور اب سے قیامت تک ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسے انسان پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے۔ جن کے نیک اعمال نے خوشنودی خالق کا شرف حاصل کیا۔ سب سے زائد رضائے الٰہی کے مستحق انبیاء و مرسلین متبعین و سائلین ہیں۔ مگر میں ایمان والوں سے، اسلام والوں سے بلکہ دنیا کے ہر انسان سے دریافت کرتا ہوں کہ کسی نے ایسا بھی کوئی

عمل صالح کیا جو کارنامہ حسینی کے مقابلے میں آسکے۔ دکھائے دنیا مجھ کو کوئی ایسا نیک عمل جس سے رسولؐ راضی، امام راضی، مومن راضی، ہر انسان راضی اور خدا راضی، شیعہ سنی، ہندو عیسائی، یہودی، نصرانی کون سادہ انسان ہے جو حسینی قربانی کا کسی نہ کسی صورت سے مداح نہ ہو۔ عالم اسلام سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے کہ جس نواسے کی شہادت غازہ حسنِ رسالت ہے۔ وہ حسین ابن علی ہیں۔ اہل تصوف کاشفہ کے عالم میں رطب اللسان "حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ" ایمان والوں کے دلوں کی ڈھارس کی شفاعت کا ذریعہ حسینؑ ابن علی مخلوق خدا میں ہر بشیر معترف کہ یہ شہید مظلوم ہر عزت کا مستحق، دنیا یہ کہنے کو تیار کہ جب چارہ و تدبیر کچھ نہ ہو تو ظلم کا مقابلہ یوں کرو جس طرح حسینؑ نے کیا۔ سیاست کے بندے اقرار کر رہے ہیں کہ شہادت ہی سیاست کا بہترین سبق تھا۔ انقلاب پسند نظریں جمائے ہوئے ہیں کہ سلطنتوں کا تختہ یوں پلٹو جس طرح حسینؑ نے پلٹا۔ لشکروں کے سردار ساتھ والوں کی ہمت یوں بڑھا رہے ہیں کہ زبردست دشمن سے یوں لڑو جیسے حسینؑ لڑے۔ مصیبتوں میں مبتلا دلوں کو تسکین دے رہے ہیں کہ صبر یوں کرو جس طرح حسینؑ نے کیا۔ اتحاد کے دلدادہ مثالیں دے رہے ہیں کہ دل سے دل یوں ملا دو جس طرح

حسینؑ کے ساتھی سرمایہ داری کو مٹانے والے نظریں پیش کر رہے ہیں کہ غرور دنیا کو یوں کچل دو جس طرح حسینؑ نے کچلا۔ حد ہے کہ لسان قدرت کی آواز ہے۔ صلوات

یا ایہا النفس المطمئنہ اے نفسِ مطمئن، اے صبر و اطمینان کے مالک میرے احکام کی مکمل تعمیل ہو چکی اب دنیا کے مصائب کو چھوڑ دے میری بارگاہِ تقرب تیری جائے قیام ہے۔ میں تجھ سے راضی اور تو مجھ سے راضی۔ امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے کہ اس آیت کا مصداق حسینؑ ابن علیؑ اور سورۂ فجر حسینؑ کا سورہ ــــــــ اس حدیث نے ہمت افزائی کی اور میں یہ کہنے پر تیار ہوں کہ جب سورہ کا آخر ذکر حسینؑ ہے تو ممکن ہے کہ سورہ کی ابتدا میں بھی یہی ذکر ہو۔ ارشاد قرآنی ہے:

والفجر ولیال عشر قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی اور قسم ہے شفع و وتر کی اور قسم ہے رات کی۔ جب وہ ختم ہو رہی ہو۔ دنیا کو کہنے دیجیے کہ اس سے عید الضحیٰ کا دن اور ذی الحجہ کی راتیں مراد ہیں مگر میرا دل کہتا ہے کہ یہ صبح صبح عاشور تھی جس میں حسین ابن علی زمین کربلا پر تیمم کر کے فریضۂ سحری ادا کر رہے تھے اور دس راتیں عشرۂ محرم کی راتیں تھیں۔ جن سے زائد سخت راتیں عبادت کی راتیں۔

حزن و ملال کی راتیں۔ خدا کی پسندیدہ راتیں عالم میں کبھی نہ گذریں۔
اور یہ تو حدیث نے بھی کہا کہ شفع سے مراد حسنؑ اور حسینؑ اور وتر سے
مراد علی ابن ابی طالب۔ اب رہی وہ رات جو قریب ختم تھی تو ممکن ہے
کہ ظلم و جور کی وہ رات مراد ہو جس کو یزیدی اعمال نے دنیا میں پھیلا دیا
تھا اور جس نے تعلیم اسلام کو ڈھانک لیا تھا۔ وہی رات صبح عاشور
حسینی قربانی کے نور سے ختم کے قریب تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ صبح عاشور اداس تھی۔ گریبان سحر چاک
تھا۔ ابھرے ہوئے آفتاب کے چہرے پر زردی تھی۔ فضائے عالم
لرزاں، شبنم گریاں، فلک سینہ فگار، نگاہ انجم بے نور، رنج و غم کی دنیا
پر حکومت نماز گزار سر بسجود۔ حسینی لشکر سر فروشی پہ تیار۔ اہل حرم
غم کی تصویر، بچہ پیاس سے قریب بہ ہلاکت مگر بنی ہاشم کے مشیر شوق
جنت میں بے چین اور رسولؐ کا بے کس و مظلوم نواسہ محو مناجات
تیاریاں تھیں۔ اور مسافروں کے لشکر میں زبردست تیاریاں کہ پیاس
سہیں، زخم کھائیں، قتل ہو جائیں، گھر مٹ جائیں، عورتیں اسیر
ہو جائیں، مگر ظلمت لیل مٹا کے چھوڑیں۔ ظلم یزیدی فنا کر کے دم لیں۔
بنی امیہ کا دور مٹا کے رہیں۔ غافل دنیا کو جگا کے سوئیں اور اس کی
منظر کو دیکھ کر قرآن کی آواز تھی۔ والفجر و لیال عشر قسم صبح عاشور

ایمان کا نور طالع ہوا۔ واللیل اذا یسر اور ظلم کی رات ختم کے قریب پہنچی آفتاب نکلا، دھوپ پھیلی، دن بڑھا اور دونوں طرف صفیں جمیں، جنگ چھڑی، اِدھر فجر اُدھر لیل۔ ادھر نور اُدھر ظلمت، آخر نور بڑھنا شروع ہوا تاریکی نیست و نابود ہوئی۔ دن ڈھلتے ڈھلتے ظہر آئی، لڑائی انتہائی عروج پر پہونچی۔ وقت زوال آیا ہی تھا کہ ایمان والوں نے نماز کی صفیں جمائیں اور دشمن نے اجازت نماز دے کر زوالِ اسلام کا پتہ دیا۔ آفتاب رنگ عالم دیکھتا ہوا نقطۂ عصر کے قریب آیا اور قرآن کی زبان نے آیت دہرائی والعصر ان الانسان لفی خسر عصر کی قسم ہر انسان نقصان میں ہے۔ البتہ وہ فائدہ میں ہیں جو ایمان لائے اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر اور حق کی وصیت کی۔ میں نہیں کہتا کہ تفسیر آیت یہی ہے لیکن یقیناً آیت کے بہترین مصداق کربلا والے تھے جو اس لیے نفع میں تھے کہ مومن تھے اور اس لیے فائدہ میں تھے کہ ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کی وصیت کر رہے تھے۔ جنت کے اشارے تھے کہ میں تمھارے لیے ہوں۔ کوثر کروٹیں لے رہا تھا کہ تمھارے فراق میں بے چین ہوں۔ حوریں آغوش تمنا کھولے ہوئے تھیں۔ رضائے خدا سروں پر سایہ فگن تھی۔ رحمت باری گھیرے ہوئے تھی۔ ان وفاداروں کے خون کا ہر قطرہ تمام عالم پر سکہ جمائے

ہوئے تھا۔ لہو کی دھاریں ظلم کی ہر بستی بہا دینے پر تیار تھیں۔ مظلومیت کا لشکر تمام دنیا کو فتح کر لینے پر تیار تھا۔ گرم زمین پر بے سر جسم حکومت کے تخت الٹ دینے پر آمادہ تھے۔ جب یہ تمام سامان مکمل ہو چکا اور جب علی انصار حسینؑ اپنا فریضہ ادا کر چکے تو دین کا آخری تاجدار، مملکتِ ایمان کا سلطانِ حقیقی دو عالم پر قبضہ کرنے کی تمنا میں تشنہ کام فرس کو ہمیز کر کے آگے بڑھا۔ دشمن کے تیر استقبال کو آگے بڑھے۔ نیزوں نے ایمان کے سینے کو بوسے دیے۔ تلواروں نے پیشانی اور پہلو چومے اور مالکِ صبر و تکمیلِ انسان کا دل بسم اللہ و باللہ کہتا ہوا فرس کی بلندی سے زمین پر آیا۔ زمین لرزی آفتاب کو گہن لگا۔ فرات کی موجیں تڑپیں، سیاہ آندھیاں گھبرا کے اٹھیں۔ دنیا میں تاریکی پھیلی اور لسانِ قدرت نے آیت دہرائی۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الخ اے نفسِ مطمئنہ! اے جانِ صبر و سکون۔ اے میرے حسینؑ اطمینان کی منزلوں سے گزر کر صبر کی راہوں سے ہوتا ہوا میرے تقرب کی منزل پر واپس آیا۔ فتح فیروزی کا تاج تیرے لیے۔ میری جنت تیرا مکان دنیا تیری، دلوں پر قبضہ تیرا اب ظلمت و کفر ہزار کوششوں کے بعد بھی تیرے نورانی کارناموں کو اپنے نجس دامن سے ڈھانپ نہیں سکتی۔ تو نے میری وہ خدمت کی کہ میری رضا سر بسر تیری، تو مجھ سے راضی اور میں تجھ سے راضی۔

تمام انبیاء راضی، تیرا نانا خوش، باپ راضی، ماں اور بھائی تیرے حسن عمل کے مدح سرا۔

یقیناً حسین ابن علیؑ نے اس عالم رستخیز میں وہ کارنمایاں کیا کہ زبان حال اور میرا دل اور تمام انصاف پسندوں کا عقیدہ پکار رہا تھا کہ آدم خوش کہ حسینؑ نے میری نسل کو ملائکہ۔ سماوات سے بہتر کر دیا۔ نوح خوش کہ میری محنت کی کشتی پار لگا دی۔ ابراہیم شکر گزار کہ میری خلقت کو نباہ دیا۔ اسماعیل ثنا گستر کہ قتیل فرات تو نے شہادت کا بار اُٹھا کے مجھ کو چھری کے نیچے سے ہٹا لیا۔ موسیٰ کی مناجات کہ تو نے ظلم کا بیڑا ڈبو کے چھوڑا۔ عیسیٰؑ مداح کہ شہیدوں کے سردار تو نے میری جانفشانی پروان چڑھا دی۔ ہاشم نازاں کہ میرے خاندان کو چار چاند لگا دیئے۔ خاتم النبیین گلے سے لگائے ہوئے کہ میری جان تو نے اسلام کو مٹنے سے بچا لیا۔ علیؑ سینے سے سر لگائے ہوئے کہ نور نظر تو نے میرا نام روشن کر دیا میں راضیہ مرضیہ تھی مگر اب تو قرآن کی زبان سے ہمیشہ کے واسطے راضیہ مرضیہ ہو گیا۔ امام حسنؑ تاج وصایت و امامت پہناتے ہوئے اپنے قوت بازو پر نازاں ہیں۔

یہ تو معصوم تھے، انبیاء تھے، مرسل تھے، ائمہ معصومین تھے مگر حسینؑ ابن علی نے وہ کام کیا کہ دنیا کا ہر مومن و منافق مسلم و کافر اپنے

اور پرائے، دوست و دشمن مدح سرا۔ واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی۔

صرف یہی نہیں کہ حسینِ مظلوم کے زبردست ایثار، بے نظیر قربانی، ایمانداری، اصولِ اسلام کی پابندی، راہِ حق میں سرفروشی نے دنیا کو حیران کر دیا، بلکہ نگاہِ انتخابِ حسینؑ کی قوت تھی کہ جن کو حسینؑ نے چُن لیا چھانٹ لیا، ساتھ لیا وہ سب کے سب اسی صراطِ مستقیم پر ثباتِ قدم کے ساتھ گزر گئے جو حسینؑ ابن علی کے نقشِ پائے بنا دی۔ مظلوم امام گھوڑے سے زمین پر گرا اور خیمہ کا پردہ اٹھا حسنؑ کا لختِ جگر نو دس برس کا سن پھوپھی کے ہاتھوں سے زبردستی دامن چھڑا کے چچا کے سرہانے پہونچا۔ برستی ہوئی تلواریں ہاتھوں پر روکیں۔ زخمی ہو کے چچا کو پکارا۔ حسینؑ نے غش سے آنکھیں کھولیں۔ کمسن بچے کو سینے سے لگایا تھا کہ حرملہ نے تیر مارا اور حسنؑ کا نورِ نظر حسینؑ کی گود میں شہید ہوا۔ اب عورتوں کے امتحان کا وقت آیا۔

زینبؑ خیمے سے باہر آئیں۔ ایک بلندی سے بھائی کا حال دیکھا پہلے پسر سعد کو مخاطب کیا کیوں پسر سعد یہ فرزندِ رسول قتل ہو رہا ہے اور تو دیکھ رہا ہے۔ جب اُدھر سے کوئی جواب نہ ملا تو روضۂ رسولؐ کو مڑ کے دیکھا۔ یا جداہ صلی علیک ملیک السماء۔ اے نانا آپ پر خدا کا درود و سلام ذرا دیکھئے تو یہ آپ کا نازپروردہ حسینؑ

خاک و خون میں غلطاں ہے اور کوئی بچانے والا نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بے کسی کے عالم میں شاہزادی خیمہ کی طرف کیونکر پلٹی اور کس دل سے بھائی کے قتل کی آواز سنی۔ کس صبر کی قوت سے کام لیا اور کیونکر بھائی کو روتے بیٹھیں مگر دنیا کی تاریخیں بتاتی ہیں کہ سکون و اطمینان سے رونا بھی نہ ملا۔ دشمن نے مال و اسباب لوٹا تمام خیموں میں آگ لگائی۔ ایک جلی ہوئی قنات باقی رہی۔ جب لوٹنے والے پلٹ چکے تو زینب نے بچوں کو تلاش کیا سب ملے مگر سکینہ نہ تھی۔ مجبوراً شاہزادی تلاش میں نکلی۔ جب کہیں نہ پایا تو مقتل میں آئیں۔ باپ کی لاش سے بچی کو لپٹا دیکھا، تسلی دے کے باپ سے جدا کیا۔ خیموں کی طرف لے کے چلیں مگر افسوس اب خیمے نہ تھے نشان تھا۔ ہر سر ردا نہ تھی بے پردگی تھی۔ بنی ہاشم کے جوان حفاظت کو نہ تھے۔ خدا کی حفاظت کا بھروسہ تھا۔ آبادی نہ تھی بربادی تھی۔ اب انصار حسینی کی عبادتیں نہ تھیں سناٹا تھا۔ عاشور کی رات گذر چکی تھی جب حجازی بہادر اپنی قربانیاں پیش کرنے کی فکر میں تھے۔ اب ماہ محرم کی گیارھویں شب تھی جب اہل حرم اپنی قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ مقصد ایک تھا، انداز الگ، غرض ایک تھی طرز عمل جداگانہ۔ صبر کے جادے نگاہوں کے سامنے تھے اور تبلیغ ایمان کی کوششیں تھیں بھائی کی لاش زمین پر تھی بہن کا بستر خاک کربلا پر۔ حسین علیہ السلام کے جسم پر زخم تھے۔ زینب کی پشت پر تازیانوں کے نشان۔

شبیرؑ کا غسل ممکن نہ تھا۔ بہن کے وضو کو پانی نہ تھا۔ علیؑ کا نورِ نظر بے گور تھا۔
فاطمہؑ کی بیٹی کا کوئی گھر نہ تھا۔ بھائی کو کفن ممکن نہ تھا، بہن کے سر پر چادر
نہ تھی۔ میتوں کے سرہانے روشنی نہ تھی، اہلِ حرم کے گھر بے چراغ تھے۔
حسینؑ کی لاش کے گرد بہادروں کی میتیں تھیں اور زینبؑ کے گرد دو پیش
یتیم بچے تھے اور بیکس سیدانیاں تھیں۔ دونوں طرف کا یہ منظر تھا کہ دور
سے شمعیں نظر آئیں۔ میں نہیں جانتا کہ واقعہ کی حقیقت کیا ہے مگر
نقلِ قول گناہ نہیں۔ بعض ذاکرین کہتے ہیں کہ عمر سعد نے حر کی زوجہ کے
ساتھ اطفالِ حسینی کے واسطے کھانا اور پانی روانہ کیا۔ وہ بھی اُس وقت
جب لشکر والے دروازہ کھول چکے۔ شاہزادی یہ سمجھ کے اُٹھی کہ پھر لٹنے کا
سامان ہے مگر حُر کی زوجہ نے تسلی دی کہ میں آپ کے فدائی حر کی زوجہ
ہوں۔ یہ کھانا اور پانی لائی ہوں، وہ بہن پانی کیا پیتی جس کا بھائی پیاسا
شہید ہوا لیلیٰ کس دل سے پیاس بجھائیں جب جوان بیٹا پیاسا رہا۔
رباب نے گہوارہ کو حسرت سے دیکھا ہوگا کہ ہائے میرا بے شیر نہیں۔
ہاں سکینہؑ کو زینبؑ نے چونکا دیا کہ میری بچی پانی پی۔

تیسری مجلس

الحاج مولانا شفیق حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل۔ پروفیسر مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا ونبینا ابی القاسم محمد وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین ولعنۃ اللہ علیٰ اعدائھم اجمعین اما بعد۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ المجید وھو اصدق الصادقین وقولہ الحق یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ سورۂ صف پارہ ۲۸

جس آیۃ کریمہ کی میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے یہ قرآن مجید کی نورانی اور ربانی آیت ہے کہ جس میں کتاب مبین کے ساتھ ہی ساتھ نور مبین کی آمد کا اعلان ہے۔ کتاب مبین اور

نور مبین ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ یہی دونوں ہدایت کا ذریعہ، نجات کا راستہ اور جنت تک پہونچنے کا وسیلہ اور یہی حوض کوثر تک پہونچانے کے مکمل ذمہ دار ہیں۔ یہی ثقلین ہیں یہی جلیلتین ہیں یہی نورین ہیں ان کو کوئی مٹا نہیں سکتا جیسا کہ اس آیۂ کریمہ نیز ارشاد الٰہی ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونک مار کر افواہوں سے الزامات سے بہتان سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو پوری طرح ظاہر کر دے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی برا کیوں نہ معلوم ہو۔ اس آیۂ مبارکہ میں نور سے مراد ذات واجب نہیں ہے وہ تو ہر حال میں کامل واکمل ہے اس تک تو نہ عوائے دین پہونچ سکتی ہے اور نہ وہم وخیال کی وہاں تک رسائی ہے بلکہ اس سے مراد وہ ذات ہے کہ جو اس کا نور لے کر اور اس کی عطا کردہ قوت روحانیہ سے آراستہ ہو کر اس دنیا میں حق کا نمائندہ بن کر ہدایت کے لیے آئی۔ کیونکہ دوسری طرف باطل کے نمائندے ضلالت وگمراہی کی طرف لے جانے والے بھی تھے۔

عزیزان گرامی ایک بات ملاحظہ فرمالیں کہ یہ حق وباطل کی باہمی کشاکش کوئی آج نئی چیز نہیں ہے۔ باطل نے ہمیشہ یہ چاہا کہ حق کا سر اس کے سامنے جھک جائے، سرنگوں ہو جائے لیکن وہ حق ہی کیا جو باطل کے سامنے جھک جائے۔ حق وباطل کی جنگ اس وقت شروع

ہو چکی تھی کہ جب حضرت آدم ابوالبشر اس زمین پر تشریف بھی نہ لائے
تھے۔ چنانچہ جب خداوند عالم نے حضرت آدم کو پیدا کرنے کے بعد
فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو تمام ملائکہ سربسجود ہو گئے لیکن
نہ سجدہ کیا تو ابلیس نے اس نے کہہ دیا کہ میں آدم کو سجدہ نہیں کر سکتا
کیونکہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے۔ آگ مٹی کے سامنے
نہیں جھک سکتی تو حضور والا یہ آگ اور مٹی کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہ
حق و باطل کے درمیان عداوت کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا شیطان
نے سجدہ نہ کیا تو خداوند عالم نے اس کو جنت سے نکل جانے کا حکم دے
دیا تو اس نے بھی دل میں ٹھان لی کہ آدم کو جنت سے نکلوا کے رہوں گا۔
خداوند عالم نے حضرت آدم و حوا کو تمام لذائذ جنت سے لطف اندوز
ہونے کی اجازت دے دی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حکم دے دیا
تھا کہ دیکھو خبردار فلاں درخت کے پاس نہ جانا۔ شیطان کو یہ اچھا
موقع ملا۔ اس نے سوچا کہ اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا
چاہیے ورنہ پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا وہ فکر میں رہا اور آخر کار
وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور جناب آدم کو جنت سے زمین پر
تشریف لانا پڑا جب جناب آدم جنت سے زمین کی طرف تشریف لائے
تو شیطان نے اُن کا پیچھا کیا جناب آدم کا جنت سے نکلنا ہی خدا کی

پہلی ہجرت تھی تو آپ سمجھ لیجے کہ جب بھی کوئی نبی خدا ہجرت کریگا
تو اُن کا پیچھا شیطان ضرور کرے گا۔ خدا کا پہلا پیغامبر جب زمین
پر تشریف لایا تو شیطان نے سوچا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدم جو
حق کو پھیلانے کے لیے جا رہے ہیں اُن کے ساتھ ایک باطل کا نمائندہ
بھی ہونا چاہیے چنانچہ شیطان خود ہی چلا آیا پھر جب ہابیل پیدا ہوئے
تو شیطان کو تشویش ہوئی کہ ابھی تک تو حضرت آدم اکیلے تھے اب ہابیل
بھی آدم ہی کی طرح حق کے پرستار ہیں یعنی حقانیت کے پرستار ایک
سے دو ہو چکے ہیں۔ اس لیے باطل کا سردار بھی دو ہونا چاہیے چنانچہ
اس نے قابیل کو باطل کی طرف بلایا اور قابیل نے جب یہ دیکھا کہ
حضرت آدم ہابیل کو زیادہ چاہتے ہیں تو اس کے دل میں حسد پیدا ہوا
اور اس نے کہا کہ آؤ ہم اور تم دونوں درگاہ ایزدی میں قربانی پیش
کریں۔ چنانچہ دونوں نے فدیہ رکھا تو جناب ہابیل کا فدیہ قبول کر لیا
گیا۔ اور قابیل کو شکست فاش ہوئی۔ قابیل کو بہت غصہ آیا۔
ادھر قابیل کو غصہ آیا ادھر شیطان کو سہارا مل گیا۔ کیونکہ غصہ شیطان
کا قوت بازو ہے۔ جو کسی جگہ بھی اس کی مدد سے نہیں چوکتا۔ چنانچہ
شیطان نے قابیل کو مشورہ دیا کہ ہابیل کو قتل کر دو تاکہ قصہ ہی تمام
ہو جائے۔ چنانچہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے زمین پر خون ریزی اور

قتل و غارت کی ابتدا کی۔ لیکن نتیجہ بر عکس ہوا اس نے سوچا تھا کہ ہابیل کی غیر موجودگی میں حضرت آدمؑ اس کو مانیں گے اور محبت کریں گے لیکن محبت کے بجائے نفرت پیدا ہو گئی کیونکہ یہاں باپ بیٹے کا معاملہ نہیں تھا بلکہ حق و باطل کی جنگ تھی نور کبھی ظلمت کے ساتھ گوارہ نہیں کر سکتا۔ عقل کبھی جہل کو شریک کار نہیں بنا سکتی۔ اور حق کبھی باطل کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ صلوات۔

عزیزان گرامی! اسی طرح جب نوحؑ کا زمانہ آیا تو پوری قوم آپ کے خلاف ہو گئی اور آپکو بد دعا کرنی پڑی۔ اور جب ابراہیمؑ آئے تو ان کے لئے نمرود ایسا دشمن دیں موجود تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اس نے جب یہ سن کر ابراہیم لوگوں کو اس کے خلاف کسی دوسرے دین کی طرف بلا رہے ہیں تو اس نے ابراہیم کو اپنے دربار میں بلایا اور پوچھا بتاؤ تمہارا رب کون ہے جناب ابراہیم نے فرمایا کہ الذی یحیی و یمیت یعنی وہ زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے اس نے کہا میں بھی یہی کرتا ہوں اس کے بعد اس نے دو قیدی بلوائے جس قیدی کے متعلق حکم تھا کہ مار ڈالا جائے اس کو چھوڑ دیا اور جس کے متعلق حکم تھا کہ اس کو چھوڑ دیا جائے اس کو مار ڈالا تو جناب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو مشرق سے آفتاب نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے اگر

تو بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو ذرا شمال سے آفتاب نکال کر جنوب میں غروب کر کے دکھا دے۔ فبھت الذی کفر۔ کافر مبہوت ہو گیا کچھ جواب نہ دے سکا۔ حضرت ابراہیم واپس تشریف لائے اور پھر اپنے مشن کی تبلیغ میں مصروف ہوئے اب نمرود نے سوچا یوں تو کام چلنے کا نہیں کیوں نہ ابراہیم کو ختم کر دیا جائے۔ عزیزانِ محترم یہ یاد رکھیں کہ جب بھی باطل نے دیکھا کہ اس کو شکست ہو رہی ہے اور کوئی صورت فتح کی نہیں رہ گئی ہے تو اس نے بانیٔ حق کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ جب مکہ والے رسول کو سمجھانے بجھانے سے عاجز آ چکے تو انھوں نے سوچا کہ رسول کو قتل ہی کر دیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی خوف تھا کہ بنی ہاشم سے عرب کا کوئی قبیلہ مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے اب یہ ترکیب ہونا چاہیئے کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان آدمی نکلے اور سب بیک وقت رسول پر حملہ کر دیں تاکہ بنی ہاشم تمام قبیلوں سے بدلہ نہ لے سکیں۔ چنانچہ سب دروازۂ رسول پر جمع ہو جاتے ہیں کہ رسول نکلیں اور ہم قتل کر دیں ادھر قدرت یہ انتظام کرتی ہے کہ رسول کے پاس جبرئیل کو بھیجتی ہے جبرئیل آتے ہیں یا رسول اللہ آپ اپنے بستر پر علی ابن ابی طالب کو سلا دیں اور خود ہجرت کر جائیں رسول علی کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے

علی ایسا ایسا واقعہ ہے تم میرے بستر پر سو رہو امیر المومنین پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کیا میرے سو رہنے سے آپ کی جان بچ جائے گی رسول فرماتے ہیں کہ ہاں تمھارے سو رہنے سے میری جان بچ جائیگی تو مولائے کائنات فرماتے ہیں کہ ایسی ایسی ہزار جانیں آپ پر قربان ہو جائیں۔

علی بستر رسول پر سبز چادر اوڑھ کر سوئے۔ اور رسول نے شب کے آخری حصہ میں مکان پر نظر ڈالی اور روانہ ہو گئے۔ اور کفار قریش بار بار دیکھتے رہتے تھے کہ حضرت گھر میں موجود ہیں یا نہیں لیکن جب امیر المومنین کو فرش خواب پر سویا ہوا پاتے تھے تو سمجھتے تھے کہ نبی سو رہے ہیں تو اطمینان ہو جاتا تھا کہ جب گھر سے نکلیں گے تو قتل کر ڈالیں گے، مگر رسول تو پہلے ہی گھر سے نکل چکے ہیں چنانچہ رسول گھر سے نکل کر ابھی تھوڑی ہی دور پہونچے تھے کہ کسی کے آنے کی آواز سنائی دی رسول سمجھے کہ کوئی کافر آرہا ہے اپنی رفتار اور تیز کر دی تو ان صاحب نے پھر آواز دی کہ کوئی نہیں ہے میں ہوں۔

عزیزان گرامی اب ادھر آیئے علی بستر رسول پر سو رہے ہیں اور کفار مکہ رات بھر یہی سمجھتے رہے کہ نبی سو رہے ہیں علی چادر الٹ دیتے کفار دیکھتے ہیں کہ ارے یہ تو علی سو رہے ہیں پوچھتے ہیں کہ رسول

کہاں ہیں ——— آپ فرماتے ہیں کہ کیا تم رسول کو میرے حوالے
کر گئے تھے۔ صلوات۔

اللہ اکبر کیا اتفاق ہے کہ جب خلیفۂ رسول کا تعاقب کرتے ہیں
تو خود رسول کو یہ گمان ہوتا ہے کہ کوئی کافر آپ کے پیچھے آرہا ہے اور
جب علی بستر رسالت پر سوتے ہیں تو کفار تک کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ
علی سو رہے ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ خلیفہ جس رسول کی نظروں میں کافر
اور علی ابن ابی طالب کفار کی نظروں میں نبی نظر آئے۔ صلوات۔

رسول کے قتل کا ارادہ ہی یہ بتاتا ہے کہ کفار نے اپنی کھلی ہوئی
شکست تسلیم کر لی تھی ورنہ پھر رسول کے قتل کا ارادہ کیا معنی رکھتا
ہے۔ باطل کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ حق اس کے سامنے جھک
جائے۔ رسول کو مسلمان جو بڑا بھائی کہتے ہیں اس کا سبب کیا ہے
رسول کے متعلق جو غلط باتیں کی گئیں اُن کی کیا وجہ ہے؟ کیوں کہا
گیا کہ رسول اپنی بیوی کو کاندھے پر بٹھا کر ناچ دکھاتے تھے کیوں
کہا گیا کہ رسول غار میں بتوں کا نام لیتے تھے تو حضور والا اس وجہ
سے کہ جب بعد وفات رسول جانشین رسول بت پرست ہو۔ شرابخوار
ہو۔ جب جانشین رسول رقص موسیقی کا دلدادہ ہو تو اس وقت
کہہ دیا جائے کہ رسول نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ امیر المومنین سے

بیعت لینے کا مطلب یہی تھا کہ باطل پر حق کی نقاب چڑھ جائے یعنی
دنیا یہ سمجھ لے کہ دیکھو اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو علیؑ جیسا حق پرست
ہماری بیعت ہرگز نہ کرتا اور اسی سیاست کو لے کر یزید بھی اٹھا
کہ حسینؑ سے بیعت کرائے تاکہ حق پرستی دنیا پر آشکار نہ ہو سکے
لیکن کیا کبھی حق بھی باطل کے سامنے سرنگوں ہوا ہے چنانچہ ولید
نے جب امام حسینؑ کو بلا کر یزید کی بیعت لینا چاہی تو امام عالیمقام
نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ مثلی لا یبایع ومثلہٗ یعنی میرے جیسا شخص
یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کر سکتا۔ امام حسینؑ کا مطلب
یہ تھا کہ اگر آدم نے شیطان کی بیعت کی ہوتی موسیٰ نے فرعون کی
بیعت کی ہوتی ابراہیم نے نمرود کی بیعت کی ہوتی اور میرے نانا
رسول خدا نے ابوجہل اور ابو لہب کی بیعت کی ہوتی تو میں بھی یزید کی بیعت
کر لیتا۔ لیکن کبھی بھی حق باطل کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا۔ چاہے
قتل کیے جائیں یا وطن عزیز کو چھوڑنا پڑے۔ اعزا کی قربانی دینا
پڑے۔ گھر لٹانا پڑے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے وطن عزیز مدینہ کو
چھوڑا۔ نانا کے مزار سے جدا ہوئے ماں کی قبر سے رخصت ہوئے
بھائی کی لحد کو الوداع کہا اور صعوبات سفر برداشت کرتے ہوئے
دوسری محرم کو کربلا پہونچے۔ قافلہ روکا گیا اہل حرم اترنے لگے۔

عباس و علی اکبر و قاسم مخدرات عصمت کی پردہ داری کر رہے تھے بڑے اہتمام سے بیبیوں کو اتارا جا رہا تھا۔ ہاں ہاں دوسری محرم کو اتنا اہتمام تھا کہ عباس جیسا غیرت دار بھائی موجود تھا علی اکبر جیسا کڑیل جوان بھتیجا اور بیٹا موجود تھا۔ پردے کا بڑا خیال تھا۔ ارے یہ اہتمام مدینہ سے چلا آ رہا تھا۔ زینب و ام کلثوم ام لیلیٰ و رباب کی پردہ داری جوانان بنی ہاشم کر رہے ہیں۔ خاص طور سے جس وقت جناب زینب ناقہ پر سوار ہونے کے لیے نکلیں تو عباس اور علی اکبر پردہ کیے ہوئے تھے مدینہ والوں نے پوچھا ارے یہ کون بی بی ہے کہ عباس پردہ داری کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ یہ حسینؑ کی بڑی بہن زینب ہے جس کی پردہ داری عباسؑ و علی اکبرؑ کر رہے ہیں۔ ہاں عزاداران امام یہی زینب ہے اور یہی زمین کربلا ہے جب دوسری محرم کو یہ قافلہ اس زمین پر وارد ہوا تو عباس و علی اکبر نے جناب زینب کو بڑے اہتمام سے اتارا تھا۔ لیکن ہائے رے انقلاب زمانہ جب گیارہویں محرم کو یہ قافلہ کربلا سے کوفہ مقید ہو کر جانے لگا تو آج زینب کا کوئی سوار کرنے والا نہیں آج بی بی کے سر پر چادر بھی نہیں۔ شمر ناقے لے کر آیا جن پر نہ ہودج نہ عماری۔ نہ محمل نہ پردہ۔ شمر آگے بڑھا زینب چلو اونٹ پر سوار ہو۔ بنت علی نے

فرمایا اے شمر ہم ناموس رسولؐ ہیں ہمارے جسموں کو نامحرم مس نہیں کر
سکتے۔ ہٹ جاؤ ہم خود سوار ہو لیں گے زینب نے ایک ایک بی بی کو بلایا
ام لیلیٰ آؤ زینب تمھیں سوار کرے۔ رباب آؤ ام فروہ آؤ رقیہ آؤ
زینب تم سب کو سوار کرے گی جب سب بیبیوں کو سوار کر چکیں تو آخر
میں ماں کی کنیز فضہ سے کہا اے ماں کی بوڑھی کنیز فضہ آ زینب
تجھے بھی سوار کرے۔ ع۔ اواران امام کتنا انقلاب آچکا تھا کہ شہزادی
کنیز کو سوار کرائے۔ زینب نے جب ماں کی کنیز فضہ کو بھی سوار کر
دیا تو اب زینب کا سوار کرنے والا کوئی نہیں۔ بس ایک مرتبہ زینب
نے فرات کی طرف رخ کیا ہوگا اے میرے غیرت دار بھیا عباس
ارے مدینے سے بڑے اہتمام سے پردے میں لے کر آئے تھے۔ اب
کہاں ہو آکر دکھیاری بہن کو سوار کرا دو اے میرے ماں جائے حسین
زینب کو سوار کر دو۔ ارحم کم علی اللہ غرض کہ جناب زینب بھی
کسی طرح سوار ہوئیں قافلہ کربلا سے کوفہ چلا بیمار امام حسینؑ کے ہاتھوں
میں ہتھکڑیاں پیروں میں بیڑیاں مہار ناقہ پکڑے ہوئے قافلہ
کے آگے تھا۔ جب بازار کوفہ میں پہونچا تو تماشائیوں کے مجمع میں
منادی ندا کرتا تھا یا اہل الکوفہ ھذہ السبایا من نبات
رسول اللہ اے اہل کوفہ اے تماشہ دیکھنے والو یہ قیدی رسول کی

نواسیاں اور علی کی بیٹیاں ہیں اور الجرم بلوائے عام میں سر برہنہ پھرائے جا رہے ہیں۔ اجرکم علی اللہ۔

بس عزاداران امام آپ کی زحمت تمام ایک روایت اگر سن سکتے ہوں تو سن لیں کہ آپ کا آقا عباس کتنا غیرت دار آقا تھا چنانچہ جب یہ لٹا ہوا قافلہ بازار کوفہ میں پہونچا اور مقید بیبیاں اپنے اونٹوں پر سر برہنہ اور چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھ رسن میں بندھے ہوئے گذر رہے تھے تو اس وقت سہل ابن سعد کہتا ہے کہ میں آیا اور میں نے دیکھا کہ بیبیاں سر برہنہ گزر رہی ہیں اور تمام سر ہائے شہدا نیزوں پر بلند ہیں لیکن ایک سر گھوڑے کی گردن میں آویزاں ہے سہل کہتے ہیں کہ میں خولی کے پاس گیا اور کہا کہ خولی یہ کس کا سر ہے جو گھوڑے کی گردن میں بندھا ہوا ہے جو چاند کی طرح دمک رہا ہے خولی نے کہا مجھے نہیں معلوم اس قافلہ کا ایک ساربان پیچھے پیچھے مہار پکڑے ہوئے آرہا ہے اس سے دریافت کرو جب امام زین العابدینؑ مہار پکڑے ہوئے گزرے تو اس نے دریافت کیا کہ یہ گھوڑے کی گردن میں کس کا سر ہے آپ نے فرمایا کہ یہ میرے چچا عباس کا سر ہے کئی مرتبہ نیزے پر رکھا گیا مگر نہیں رکا دریافت کرنے پر فرمایا کہ اے بیٹا زین العابدینؑ جب میں نیزے پہ جاتا ہوں تو دیدۂ

اُم کلثوم کے سر برہنہ نظر آتے ہیں میں دیکھ نہیں سکتا اور
میں نے پردے کے انتظام کا وعدہ کیا تھا ـــ اور زینب و
ام کلثوم کو کن آنکھوں سے بے پردہ دیکھوں ۔ الا لعنۃ اللہ
علی القوم الظالمین۔

چوتھی مجلس

(علامہ جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ)

فَمَنْ أَظْلَمُ إِنَّ اللّٰهَ كَذِبًا وَلَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ پ ۲۸ ع ۹

لوگوں نے عرض کیا کہ سب سے بہتر جو عمل ہو بتلا دیجئے پیغمبر منتظر ہوئے وحی آئی۔ ۔ ۔ ۔ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو میدانِ جنگ میں جہاد کرتے ہیں اس طرح جم کر جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیواریں۔

دونوں جگہ صف بندی ہے۔ ایک نمازِ جمعہ میں۔ ایک جہاد میں دونوں صفیں صاف ہیں لوگ نمازِ جمعہ پڑھنے کھڑے ہوئے تھے ابھی شروع نہ ہوئی تھی کہ تجارت کا قافلہ آگیا۔ اس وقت لوگ باجے بجاتے تھے کہ علم ہو جاوے کہ قافلہ آگیا ہے بس تجارت پیشہ سب چل دئے۔ اور رسول نے مڑ کر دیکھا تو صرف بارہ آدمی باقی ہیں۔

فرمایا اگر تم بھی چلے جاتے تو زمین اُلٹ جاتی احد میں، جہاد میں، نماز جمعہ میں۔ دونوں صفیں صاف۔ خود ہی خیر عمل کی خواہش کی تھی۔ خود ہی ختم کر دیا۔ خیر عمل کو نباہ نہ سکے۔ اس لیے اذان سے نکال دیا۔ عدل و ظلم۔

اس کی مثال ایسی کہ تاریک گھٹائیں چمکتی بجلی۔ اندھیری شب میں کہیں چراغ دریا کے قعر میں گوہر۔ ریت کے صحرا میں لعل۔ اسی طرح ظالموں میں معصوم جسم انسان میں کروڑوں اجزا ہیں جو حرکت کرتے رہتے ہیں ان سے جسم کے اجزا جسم سے خارج ہو جاتے ہیں دوسرے پیدا ہوتے ہیں اور حرکت میں اجزاء زیادہ خارج ہوتے ہیں۔ غذا کھاتے ہیں اور اجزا پیدا ہوتے ہیں وہ ان کی جگہ لے لیتے ہیں دن کو زیادہ خارج ہوتے ہیں۔ رات شب کی وجہ سے سردی ہوتی ہے۔ سونے میں حرکت کم ہوتی ہے۔ پس اجزا پیدا زیادہ ہوتے ہیں۔ خارج کم ہوتے ہیں۔ پس سونا ضروری ہے اس سے انسان قائم رہتا ہے۔ زمانے مختلف ہیں کبھی پیداوار خرچ سے زیادہ نمو ہونے لگا۔ کبھی اخراج زیادہ ہونے لگے۔ بوڑھاپا آجاتا ہے یہاں تک مثل ابتدا بچہ کے ہو جاتے ہیں کہ دانت، کان، آنکھ، ناک بیکار ہوتے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ایسے ہو گئے کہ بچہ کی طرح اب دوسرا اُٹھانے لگا۔ بس جس طرح شکم مادر

میں اس کی حالت دیکھنے کے قابل نہ تھی۔ لہٰذا آخری منزل قبر ہو گی۔ ماہرین کا قول ہے کہ ساٹھ برس میں جسم انسان بالکل بدل جاتا ہے۔ وہ جسم نہیں رہتا اس کی جگہ دوسرا جسم لے لیتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ انسان وہی رہتا ہے۔

کیوں معلوم ہوا اس جسم کا نام انسان نہیں ہے بلکہ کوئی چیز اور ہے کہ جو انسان ہے اور وہ قائم ہے۔ پس جسم اور۔ انسان اور اب ترقیاں ہو رہی ہیں۔ جسم کی ترقی کے لیے جو فانی ہے بدلتا رہتا ہے۔ رُوح جو انسان حقیقی ہے۔ اس کی ترقی کے لیے کچھ نہیں اس کی ترقی دینے انبیاء آئے تھے۔ دوربین وغیرہ سب چیزیں مادی جسم کی امداد کے لیے ہیں۔ بلکہ اب سائنس کی ترقی دو طرح کی ہے۔ رُوح سے مطلب نہیں۔ جسم مٹانا یا باقی رکھنا مگر آج کل جو جسم کو مٹانے کے ذریعہ ہیں وہ ترقی ہے۔ پیغمبر معراج میں گئے دو قدم کا فاصلہ کہتا یہاں کمانیں ہیں مادی نہیں۔ وہ کمان نہیں جو دل کو زخمی کر دے دو کمان کا فاصلہ ہوا۔ وہ کمانیں ہیں ابرو کی۔ یعنی اتنا قریب ہو گیا مگر دیکھا نہیں ہے۔ دوسری وجہ دونوں طرف مادی چیزیں ہوں تو فاصلہ مادی چیز سے ہو گا مگر ان دونوں طرف غیر مادی ہوں یا ایک طرف غیر مادی ہو تو جسمانی چیز سے فاصلہ نہیں ناپ سکتے مثلاً تم میں اور عقل

میں کتنا فاصلہ ہے یا روح اور عقل میں کتنا فاصلہ ہے تو مادی چیز سے فاصلہ نہیں بنے گا یہاں فاصلہ یعنی کمانیں محبت بعض جیسا آیات میں ہے کہ محبت کرنا ہے۔ کتے کو ملازم روٹی کھلاتا ہے مالک نہیں دیتا تو کتا نوکر کو مالک سمجھتا ہے۔ مالک کو نہیں پہچانتا۔ تو جو بھی انسان ہو کر حقیقی مالک کو نہیں پہچانتے تو وہ جانور ہیں انسان وہ ہے جو غائب مالک کو بھی پہچان لے۔ محبت انسان حیوان دونوں کو ہے مگر جانور کو ظاہری مالک سے اور انسان حقیقی مالک کو پہچانتا ہے چاہے وہ غائب ہو۔ محبت کیا چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ محبت نام ہے دل کے جھکاؤ کا تو جس کے دل نہ ہو خدا کی محبت کے کیا معنی تو علماء نے کہا کہ اللہ کی رحمت کا جھکنا۔

بہر حال جھکاؤ محبت میں ضروری ہی ہے۔ جب جھکاؤ نہ ہو تو تیر ہے۔ جب جھکاؤ ہو گیا تو کمان بن گیا ادھر سے دل جھک رہا تھا ایک کمان۔ ادھر سے رحمتِ خدا جھک رہی تھی۔ دو کمان ہو گئیں۔

قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی پ ۲۷ ع ۵

معراج میں آخری نقطہ تھا کہ پیغمبر کو حکم ہوا۔ کہ زمین کی طرف دیکھو۔ دیکھا تو علیؑ زمین پر لیٹے ہوئے تسبیح کر رہے ہیں۔ فرمایا دیکھا عرض کیا ہاں دیکھا۔ میرا بھائی ابن عم ہے۔ ارشاد ہوا انہی

لڑکی کی شادی اس سے کرنا منجملہ معراج کی وجوہات میں سے یہ بھی
ہے۔ جس طرح یہاں وارث اولادوں کی شادیاں کرتے ہیں اس طرح
محمدؐ کے گھر کی بیٹی۔ اللہ کے گھر کا بیٹا۔ پیام ہو رہا تھا جو کسی چیز کو
بناتا ہے وہ اس شخص سے زائد ہوتی ہے اس کا جزو نہیں ہوتی۔
حضرت موسیٰ نے نورِ محمدؐ کو دیکھا تو غش کھا گئے اب اسی نور کی بھرپور
نگاہ ہے اور طور کی بجائے عرش ہے اور علیؑ بستر میں لیٹے دیکھ رہے
ہیں (اور مسکرا رہے ہیں) غش کیسا انسان کی کوششوں کے بعد اور
سائنسدانوں کی کوششوں کے بعد بھی یہ جسم ایک دن خاک میں ضرور
ملے گا۔ اور رُوح جو انسانی اصلی ہے وہ باقی رہے گی۔ اس کے متعلق
بتا گئے دوسرے جانتے تھے کہ رُوح کے متعلق بتلانے والے اور قانون
بنانے والے نہ ہوں گے اور جسم کے قانون بنانے والے بہت ہوں گے
اس لیے دین بنانا نہ سکھلایا۔ بعد مرنے کے کسی کی نگاہ گئی کہ کیا ہوگا۔
"تناسخ" (یعنی آواگون والے) بھی ہر پھر کر پھر دنیا میں آ گئے
مرنے کے بعد کی منزل کا پتہ نہ چلا۔ بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد کے
عالم پر جس کی نگاہ جا سکے جس کی نگاہ میں دونوں عالم ہو وہ ایسا قانون
بنائے گا جو دونوں عالموں سے متعلق ہو۔ جو صرف ایک عالم کو دیکھتا
ہے۔ وہ صرف یہیں کا قانون بنا سکتے ہیں۔ آفتاب کی شعاع آفتاب

میں مقید رہنا نہیں چاہتی ایک گوہر صدف کی چار دیواری میں، خوشبو
پھول کی سرحدوں میں رہ کر زندگی نہیں گزارتی۔ بلکہ آزادی چاہتی
ہے۔ مگر سورج کی شعاعیں نکل کر پاؤں سے روندی گئیں۔ پھول کا
علیحدہ ہو کر دل چھیدا گیا۔ آزادی، آزاد، صرف مذہب کے متعلق ہی
چاہتے ہیں ورنہ قانون حکومت۔ قانون فطرت کی پابندی کیوں کرتے
ہیں۔ خاندانی رسموں کی پابندی کرتے ہیں پہلے شخصی حکومت تھی اب
تو آپ خود چنتے ہیں کہ حاکم بنے اس کے پابند ہوں کوئی زبردستی حاکم
نہیں بنا۔ بلکہ آپ نے خود ووٹ دیکر ممبر بنایا ہے کہ جاؤ ہمارے
نمائندے بنو اور ہمارے لیئے قانون بناؤ۔ تو معلوم ہوا پابندی فطرت
ہے جو ضروری ہے۔ تو اب ہم کو پابند بنانے کے لیے کیا ایسے لوگ جو
ضروری ہوں یا ایسا شخص قانون بنائے جو بے غرض ہو۔ نہ مشرق والا
ہو نہ مغرب والا نہ ظلم کرے۔ نہ مرد ہو نہ عورت کہ دوسری صنف
کو شکوہ نہ ہو غریب کو نہ امیر کو۔ یعنی کسی کو شکوہ نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ ایسا
ہو کہ رب العالمین ہو۔ وہ کسی کا رشتہ دار نہ ہو۔ سہو نہ ہو۔ یہاں
ایسا قانون بنائے، جو دوسرے عالم کو جانتا ہو اس کا بھی خیال رکھ سکے۔
خود بھی عیب سے پاک ہو تو قانون بھی بے عیب ہو اس لئے ارشاد ہے۔
اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام پ ۳ ع ۳ جناب موسیٰ گئے نور کو نار

سمجھے درخت سے آواز آئی اِنّی اَنَا اللّٰہ آپ ہوتے تو کیا دھوکا نہ
کھاتے۔ مگر موسیٰ سمجھتے تھے کہ درخت اللّٰہ نہیں ہے وہ خالق کا
کلام ہے۔ آواز جسم کی صفت ہے وہ جسم سے پاک ہے کوئی کہے کہ
یہ کیسے کہ ارادہ خدا کا ہو آواز نکلے شجر سے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا
مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ اللّٰہ ہم بولتے ہیں زبان سے
زبان سے جب رُوح تعلق ہٹالے زبان نہیں بولتی۔ ارادہ کرتی ہے
رُوح اور بولتی ہے زبان۔ رُوح فلکی جسم خاکی چند دن کے لئے آکر
رہنے لگی مگر اس کے ارادے سے زبان بولتی ہے تو خدا جو عالم کا حاکم
ہے اس کے ارادہ سے ہر چیز بول سکتی ہے۔ روح کی قوت ہے کہ زبان
بولتی ہے۔ رُوح کو اتنی قدرت ہے کہ جسم پر حکومت ہے جس کی رُوحانی
قوت بڑھی ہوئی ہے۔ جو عالم کی رُوح ہو اُس کے حکم سے کنکریاں
بول سکتی ہیں۔ جناب مریم کو میوے ملتے رہتے تھے مگر جاڑوں میں گرمی
کے اور گرمی میں جاڑوں کے میوے آئے کیوں خیال یہ ہے کہ اگر فصل
کے میوے ہوتے تو اُٹھتی جوانی تھی کسی کو شک نہ ہو کہ کوئی انسان
دے جاتا ہے، بے فصل کے میوے بھیجے تا کہ معلوم ہو کہ خدا کے یہاں
سے آئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ فصل کی چیز آدمی سے تعلق رکھتی ہے بلا فصل
جو چیز ہو وہ خدا کی طرف سے ہے مریم کو کیوں ہٹایا وہ تو پاک تھا۔

(طاہر یعنی عورتوں کی نجاست سے پاک تھیں) بیٹا بھی پاک اس
لئے علیحدہ کیا کہ کوئی علیؑ کا مقابل نہ ہو جاوے عیسائی کہہ دیتے
کہ ہمارے عیسیٰ بھی تو خدا کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں۔ دوسری وجہ کہ
باپ نہ تھا اور خدا کے گھر میں پیدا ہوئے۔ عیسائیوں کو اور بھی قوت
ہو جاتی۔ جب دل کی دھڑکنیں دیکھیں تو مریمؑ کو جناب عیسیٰ نے کہا
کہ آپ روزہ کی نیت کر لیں۔ عیسیٰ آغوش مادر میں بولے۔ تو علیؑ
آغوش محمدؐ میں بولے۔ عیسیٰ نے کہا کہ مجھے کتاب عطا ہوئی ہے مگر سنائی
نہیں اور ہاتھ میں بھی نہیں لیے ہوئے تھے۔ کوئی جاننے والا نہ تھا
یعنی عیسیٰ کے سینہ میں کتاب تھی۔ یہاں علیؑ نے قرآن پڑھ کر سنا
دیا۔ کیوں محمدؐ عالم سننے والا تھا۔ آلِ عمران میں دو نواسے چنے گئے
جناب یحییٰ اور جناب عیسیٰؑ جن کی نسل ہیں۔ اِنَّ اللہَ اصطفےٰ ادم
وَنوحاً آلِ ابراھیم وآلِ عمران علی العالمین ذریۃ بعضاً
من بعض۔ معلوم ہوا نواسے آل میں ہیں وہاں دو نواسے عیسیٰ و یحییٰ
محمدؐ کی آل میں دو نواسے حسنؑ و حسینؑ کی ماں کی تعظیم واجب ہے چاہے
بیٹا نبی ہو۔ مریم کی تعظیم اگر واجب ہو تو صرف عیسیٰ پر فاطمہؑ کی
تعظیم گیارہ اماموں پر۔ رسولؐ کے بعد عرشہ چھوڑ بیٹھے جو آتا رہا ایک
ایک زینہ چھوڑ کر بیٹھتا رہا۔ مگر علیؑ عرشہ پر بیٹھے معلوم ہوا کہ اوروں

کی منزل علیؑ کے زیر قدم تھی۔ جب لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے سوا یہاں کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

تم نے نہیں سُنا کہ محمدؐ نے فرمایا کہ جو میری جگہ بیٹھے گا اور میرے ایسے کام نہ کرے گا وہ منھ کے بل جہنم میں جائے گا۔ معلوم ہوا لوگوں کو یاد تھا اس لیے عرشہ چھوڑ کر بیٹھے تھے ہارون رشید کے سامنے ذکر آیا اس واقعہ کا اس نے ہنس کر کہا ہم پر علیؑ نے احسان کیا ہے ورنہ ہم کو تو زینہ اترتے اترتے اب گڑھا کھدوانا پڑتا۔ جس کو رسول خود سے اپنی جگہ بٹھلا دے اس سے کس قدر مطمئن ہے جب فاطمہؑ آتی تھیں۔ رسولؐ اٹھ کر تعظیم کرتے اور اپنی جگہ پر بٹھلا دیتے تھے۔ مردوں کے لئے تیرہؑ نمونے مرد قوی ہے۔ مختلف مواقع کے سبق دیتے تھے۔ اس لئے تیرہ نمونے ہوئے۔ عورتوں کے لیے ایک نمونہ کافی ہے۔ وہ صرف فاطمہؑ کے عمل دیکھیں۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ پ ۳۰ ع ۲۵

سب سے بڑا ظلم کرنے والا انسان ہے۔ بنت النیل ایک انجمن ہے مصر میں اُس کی ایک عورت آئی تھی کہتی ہے ہماری انجمن نے پردہ اُٹھا دیا ہے یہ صرف دولت مندوں کی نشانی ہے۔ محمدؐ حنیفہ کے متعلق ہے کہ رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تم کو خدا فرزند دے گا جس کو میں اپنا نام دے دیتا ہوں۔ جابر انصاری بیٹھے تھے امام محمد باقرؑ و

امام جعفر صادق علیہ السّلام کے پاس جابر آئے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے کہ محمدؐ حنفیہ کی ماں جن تھیں۔ فرمایا کہ خلیفہ ابوبکر کے سامنے ایک لڑکی قید ہو کر مال غنیمت میں آئی اس نے کہا حقیقی جانشین کون ہے۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہؐ آپ بھی دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر کتنا ظلم ہو رہا ہے لوگوں نے کہا تم نے زکوٰۃ نہیں دی اس لیے تم سے لڑائی ہوئی اس نے کہا غلط ہے ...... جس کے ذمہ زکوٰۃ ہوتی ہے وہ وصیت کرکے مرتا ہے۔ پھر اس لڑکی نے کہا کہ اگر کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو اپنے آپکو ہلاک کرلوں گی میرا ایک خواب ہے جو اس کو بیان کر دے میں اس کی کنیز ہوں۔ علیؑ بلائے گئے جب علیؑ سامنے آئے باتیں ہوئیں اس لڑکی نے کہا یا علیؑ تم ہی ہو جس کو رسولؐ نے ہاتھوں پر بلند کیا تھا۔ فرمایا ہاں لڑکی نے کہا یا علیؑ ہم تمھاری محبت میں مارے گئے لوٹے گئے۔ حضرت نے اپنی عبا اس کے سر پر ڈال دی اب لڑکی نے کہا یا علیؑ میرا خواب بیان کر دیجئے میں اس کی کنیز ہو جاؤں گی حضرت علیؑ نے لوگوں سے کہا اے لوگو اس کا خواب بیان کر دوں تو تم اس کو مجھے دیدو گے لوگوں نے کہا ہاں دیدیں گے۔ فرمایا کہ تو شکم مادر میں تھی قحط پڑا تیری ماں نے منحوس سمجھا تو اس کے خواب میں آئی اور اس نے کہا کہ تو لڑکا سمجھتی ہے میں لڑکی ہوں اور میری شادی اس سے کرنا کہ جو یہ خواب بیان کر دے

جب تو پیدا ہوئی یہ جواب ایک پتھر پر لکھ دیا گیا۔ لڑکی نے پوچھا یا علیؑ اب پتھر یعنی وہ تختی کہاں ہے آپ نے فرمایا تیرے بالوں میں ہے۔ لڑکی نے اس سے پہلے علیؑ سے کہا تھا جب وہ تشریف لائے تھے کہ یا علیؑ ہم تمھاری محبت میں مارے گئے لوٹے گئے ہیں حضرت علیؑ نے اپنی عبا اس پر ڈال دی۔

سلطانِ روم نے ایک پہلوان بھیجا۔ معاویہ کے دربار میں کوئی مقابل نہ ہوا بھیجے محمد حنفیہ کی طرف۔ وہ پہونچے۔ فرمایا اے پہلوان کوئی تجھ سے دشمنی نہیں تو بیٹھ جا میں اٹھا لوں وہ بیٹھ گیا آپ نے اٹھا لیا۔ پھر خود بیٹھ گئے وہ نہ اٹھا سکا۔

جب جنگ جمل میں گئے حضرت علیؑ نے فرمایا پہاڑ کی طرح قدم زمین میں جما دو اور پچھلی صف پر نظر رکھو۔ تیس ہزار کے مجمع کی طرف جنگ جمل میں جب محمد حنفیہ گئے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ ذرا رکے علیؑ نے فرمایا آگے بڑھو اور آگے بڑھو پھر رکے کہا کیوں رکے کہا کہ تیروں کی بارش زور پر ہو رہی ہے۔ حضرت علیؑ نے الٹی تلوار پیٹھ پر ماری اور تلوار لے کر خود گھوڑا بڑھا دیا اس طرح فوج پر جا پڑے اور ان کے تیروں کے وار بیکار کر دئے اور اس طرح وار کئے کہ گھوڑوں پر سوار بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور حضرت علیؑ

وہاں سے نکل چکے تھے جب سواروں کے سر خود بخود گرنا شروع ہوئے
تب معلوم ہوا کہ مقتول تھے۔ راویوں نے لکھا ہے کہ اس وقت
حضرت علیؑ ایک موت کا گھر معلوم ہوتے تھے جب واپس آئے
تھے تو اس قدر غصہ تھا کہ ان کی آواز سے اپنے بھی پیچھے ہٹ گئے
جب کسی کو جرأت نہ ہوئی تو مالک اشتر نے حسنینؑ علیہ السلام کو
سامنے پیش کر دیا تب حضرتؑ کا غصہ فرو ہو گیا۔ محمد حنیفہ رونے
لگے حضرت نے پیار سے شفقت سے کمر پر ہاتھ پھیرا کہا بیٹا ملول
کیوں ہو تم میرے بیٹے ہو حسنینؑ فرزند رسول ہیں اس کے بعد محمد
حنیفہ نے حملہ کیا بہت بہادری سے مگر جمل تک نہ پہنچ سکے لہذا واپس
آئے۔ امام حسن گئے جاتے ہی جمل کے نیزہ مارا جمل گر پڑی اور چلے
آئے پھر محمد بن ابی بکر کو عائشہ کے پاس بھیجا۔ جب جنگ جمل میں
حسنؑ نے نیزہ مارا تو اونٹ گرا علیؑ نے محمد بن ابی بکر کو بھیجا اور کہا کہ
بہن کو سنبھال لو محمد بڑھے سنبھالنے کے لیے ہاتھ پردہ کے اندر چلا
گیا۔ شور مچایا۔ یا علیؑ غیروں کو بھیج دیا ہاتھ پردے کے اندر آ گیا۔
فرمایا تمہارے بھائی ہیں غیر نہیں۔ ارے علیؑ کی بیٹیوں کا کیا احترام
ہوا۔ جب عائشہ کو کہا کہ جاؤ گھر میں بیٹھو تو انکار کیا۔ فرمایا وہی کلمہ
کہدوں گا جس کا اختیار ہے۔

چلی محافظوں کے ساتھ بھیجا تھا پوچھا کوئی شکایت تو نہیں کہا اور کوئی شکایت نہیں بس یہ ہے کہ غیر مردوں کے ساتھ بھیجا ہے محافظوں نے فوراً نقاب اتار دی اور کہا کہ ہم سب عورتیں ہیں اے عائشہ دشمن کا یہ احترام ۔ اور ان کی بیٹیوں کا یہ احترام کیا گیا کہ کسی نے چادریں چھینیں کسی نے خیموں میں آگ لگائی جب خیموں میں آگ لگی تو جناب زینبؑ امام چہارم کو سینے سے لگا کر نکلیں۔ سوال ہے خیمہ میں امام چہارم سے پوچھا ہو گا بیٹا ہم باہر نکلیں یا جل جاویں اور اس میں شک نہیں کہ علی اکبرؑ کی لاش پر حسینؑ کی لاش پر پہنچی تو کس سے پوچھا تھا۔ ارے اس وقت چہرہ پر نقاب اور سر پر چادر تو تھی۔ خیمہ میں سر برہنہ تھا اس لیے پوچھا تھا۔ پردہ ایسی چیز تھا کہ یزید جیسا بد کردار خلاف شرع عمل کرنے والا بھی۔ جب ہندہ دربار میں آئی تو غیرت کرنے لگا زینب فاطمہؑ کی اور علیؑ کی بیٹی تھی یہ نہ کہنا کہ زینب کو شہادت نہ ہوئی ۔ ہر ایک کا طریقہ علیٰحدہ ہے۔ بکری کا ذبح کرنا اور اونٹ کا نہر اور مچھلی کا ذبح اور زینبؑ کی شہادت بے پردہ خیمہ سے نکل آنا۔ دربار یزید میں اس طرح رسیوں سے عورتوں کو باندھا جس طرح بکریوں کو باندھتے ہیں۔ چار سو ننگی غلام ہیں سات سو کرسی نشین

ہیں صحن آدمیوں سے بھرا ہے زینبؑ بندھی کھڑی ہے۔ بھتیجا بندھا ہوا ہے جناب زینبؑ فرماتی ہیں کیوں غلاموں کی اولاد یہی عدل ہے کہ تیری کنیزیں عورتیں پردہ میں ہوں اور ہمارے چہرے کھلے ہوں۔ شہزادی کی جرأت ہے۔ علیؑ کی بیٹی ہے رنج ہے بے پردگی کا۔ جب سکینہؑ سے پوچھا کیوں روتی ہے تو یہ نہیں کہا کہ باپ کو بلکہ فرمایا کیونکر وہ عورت نہ روئے جو منہ نہ چھپا سکے۔ سر برہنہ دربار میں ہو۔

پانچویں مجلس

عالی جناب مولانا سیّد محمدؐ صاحب قبلہ دہلوی (پاکستان)

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ب ۲۲ع ۱۶

ہر نبیؑ کتاب لے کر آیا ہے وہ تنی ہوئی۔ نبی بادشاہ نہ تھے کہ زبردستی قانون پر عمل کرائیں۔ عمل کرکے عمل کرائیں گے۔ صرف الفاظ چلے تو محفوظ طریقہ پر لوح محفوظ سے لے کر چلا روح الامین معصوم آیا تو نبیؑ معصوم پر معنی ایسے جو چاہے خود کرے۔ حاکم کے پاس جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کیوں وہ تو امام اپنا ہے تو ڈر یہ ہے کہ کبھی غصہ آتا ہے تو سزا دیتا ہے اور اگر کوئی گھر والا۔ اس سے مانوس ہے تو اُسے کچھ ڈر نہیں۔ قرآن آیا سینے میں وارث کے آیا تو رسولؐ کے ہاتھوں پر قرآن پڑھ کر آیا دل رسولؐ سے زبان رسولؐ پر وارث بڑھا اور زبان جوسی۔ دونوں ایک ہوگئے۔ قرآن کا پہاڑ ہٹانے کا دعویٰ ہے کہ ہٹا دیے جائیں۔ آج کل پہاڑ اُڑا اُڑا کر لائیں

نکلتی ہیں۔ میں توٹھیکہ لے لیتا۔ قرآن پڑھ پڑھ کر پہاڑ اڑادیتا۔
کیوں نہیں اثر ہے۔ جواب ملتا ہے کہ میاں ہماری زبان میں
اثر نہیں قرآن میں اثر ہے
....
معلوم ہوا کہ قرآن کافی نہیں ہے
....
ایک شخص آیا اس نے دوسرے کے نوکر کو حکم دیا۔ بلایا نہ آیا۔ جب
اُس کے وارث نے اشارہ کیا تو وہ فوراً آگیا۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتَابَ
وارث چاہیں گے تو پہاڑوں کو ہلادیں گے۔ مُردے زندہ کردیں گے
جو بولنے والے ہیں وہ وارث اور نہ بولنے والے ورثہ کہلاتے ہیں دولت
مند کی دولت ہوئی ورثہ اور دولت مند اور ہے وارث دشمن دولت
کو چاہتا ہے اور دولت کا دشمن ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ وَلَا
رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ پ ۷ ع ۱۳ رکعتوں کا ذکر
کہاں ہے۔ حج میں جو دعائیں پڑھتے ہیں۔ کہاں ہیں خطبے یعنی
مسلمانی کا ذکر کہاں ہے تخم شجر میں ویسے ہی سینکڑوں درخت
پنہاں ہیں مگر نظر نہیں آتے ہم برآمد نہیں کرسکتے اگر دانہ ممبر پر رکھ
دیجئے تو اس میں سے کچھ برآمد نہیں ہوگا۔ اگر زمین میں رکھ دیں تو
پودا اُگے گا مگر زمین موضوع ہو۔ ورنہ دانہ کبھی گم ہو جاوے گا۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

قرآن کہتا ہے قرآن کی آیات روشن فی صدر نہیں ایک سینے میں نہیں بلکہ صدور الذین سینے ہیں جن میں ہے۔ ایک ہوتا تو بھی مانتے۔ وہ تو کئی ہیں۔ اِنَّہٗ قُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُوْن قرآن چھپی ہوئی پوشیدہ کتاب میں ہے تم سمجھتے ہو چھپی ہوئی کتاب کہاں ہے وہ لایمسہ الا المطھرون طاہرین نہیں جو غوطے لگا کر پاک ہوتے بلکہ مطہرون ہے پاک پ ۲۷ ع ۱۶۔ ہوئے ہیں وہ کون ہیں۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْت وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ دماغ میں ہزاروں چیزیں نقشے فوٹو عطر شکلیں.... ذائقہ پہنچاتا ہے آوازیں سنتا ہے محفوظ رکھتا ہے سب کا گودام دماغ میں ہے۔ مگر غیر نہیں بتلا سکتا اُسی کی زبان اس گودام کی اشیاء کو بتاتی ہے دوسرے کی زبان دوسرے کے دماغ کے گودام کا حال نہیں بتا سکتی اسی کی زبان بتلا سکتی ہے اگر زبان کاٹ دی جاوے۔ فاصلہ ہو جاوے گا۔ دوسری چاہے کتنی بھی زبانیں ہوں اس دماغ کا حال نہیں بتا سکتیں۔ ہر شخص اپنے محاورہ کے الفاظ بولتا ہے۔

غصہ میں کہے گا دھلکر بیٹ کے رکھ دوں گا۔ قصائی کہے گا قیمہ کر دوں گا۔ کاشتکار کہے گا بھوسا بھر دوں گا۔ ویسی ہی زبان

ہوتی ہے خدا کی زبان تو سب ہیں۔ قرآن عربی میں کس کے ماحول کے موافق آیا۔ ایک آدمی کا ماحول نہیں ہوتا۔ جب چند آدمی نہ ہوں تیتر بولا بیان سمجھا ہلدی، مرچ، ادرک، پہلوان سمجھا دودھ پی کر کثرت وغیرہ مختلف دماغ میں مختلف معنی۔ سب کی روایت سنئے رسولؐ نے فرمایا۔ فلاں نے یوں سنا۔ سب کی روایتیں سنی ہوئی ہیں۔ کسی کا دعویٰ سیکھنے کا نہیں ہے۔ سوائے علیؑ و اہلبیتؑ کے انھوں نے سیکھا ہے۔ عَلَّمَنِیْ ذَقًا ذَقًاہ مجھے تعلیم کی ہے جو روٹی پکانا نہیں جانتا اُسے ترکیب بتلا دی۔ جب پکانے بیٹھا ترکیب سُن کر تو اقلیدس کی سب شکلیں حل ہو گئیں۔ ہر کونے کی روٹی پکی اس لئے سُنا ہے سیکھا نہیں ہے۔

دو شخص پکڑے گئے صندوق لئے ہوئے۔ ایک نے کنجی دے دی پہلے سے سب کچھ جو اس میں تھا۔ بتلا دیا تھا وہی چیزیں ملیں جو بتلائی تھیں چھوڑ دیا۔ دوسرے سے کہا بولا کنجی نہیں ارے بتا اس میں کیا ہے۔ کہا پتہ نہیں۔ پکڑے جائیں گے تیسرا پکڑا گیا کنجی دیدی۔ تلاشی لی تو عبا قبا پہنے ہے مگر اس میں ہے چوڑیاں بے مناسب چیز (طبلہ ڈھولک) تو وہ بھی پکڑا جائے گا۔ چوتھے کو ٹو کا سر پر صندوق۔ اس سے پوچھا اس نے کہا میں تو مزدور ہوں

وہ آگے جا رہے ہیں۔ چوتھے کے مالک کو ٹوکا روکا ان کو بلایا اگر اصلی مالک ٹھیک اُترا تو مزدور بھی چھوٹ جائے گا ورنہ دونوں پکڑے جائیں گے۔ کیونکہ سچا ایک بھی نہ تھا۔ تینوں چور تھے مصنوعی۔ دانتوں نے تکلیف دی اُتار لیا۔ فرمایا اپنے بنائے ہوئے ایسے ہی ہوتے ہیں جب چاہا اوتار دیا۔ جب چاہا ٹھلا دیا۔ یہ اک فقرہ تھا۔ نقشہ دیکھا نقطے لگے ہیں۔ یہ دہلی ہے یہ میرٹھ ہے یہ مظفر نگر ہے۔ لڑکے سے پوچھا جو پڑھتا ہے اس نے بتلا دیا یہ نقطہ دہلی ہے۔ پوچھا اس میں کیا ہے۔ کہا دیکھی نہیں کیا خبر ہے۔ جو دہلی گیا ہے۔ اس سے پوچھا یہ کیا ہے کہا دہلی ہے۔ دہلی کیسی ہے۔ دو گھنٹے تک حالات بیان کئے کیونکہ وہ دہلی ہی کا رہنے والا تھا اس لیے سب کچھ جانتا تھا دیکھا بھالا تھا اپنا شہر تھا۔ اب پوچھئے علیؑ نے نقطۂ بسم اللہ کی تفسیر رات بھر کیونکر بیان کی۔ دوسرے معنی۔ نقطے کے بغیر حرف شناخت نہیں ہو سکتے گویا علیؑ کے بغیر قرآن بے معنی ہوا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ پ ۳ ع ۱۲

جب آدم و نوح کو چنا تو آل عمران و آل ابراہیم کے پیغمبروں کے نام لئے دیئے ہوتے۔ نہیں دو پیغمبر چنے اور دو کی آل۔ معلوم ہوا کہ

نبی کی طرح آل بھی چُنی جاتی ہے اُمّت کو کہیں نہیں لکھا۔ ذُرِّیَّۃً
بَعضُہَا مِن بَعضٍ۔ یہ اولاد در اولاد انتخاب ہے تو ثُمَّ اَورَثنَا
الکِتَابَ کا وارث کون ہے گلّر طوطے کی قیمت دو آنے۔ اگر کچھ رٹا
دیا تو پانچ روپے کا ہوگا۔ مگر سب زبانی جمع خرچ ہے نبی جی بھی جو
میاں کا مٹھو پڑھ رہا ہے۔ ذرا بلی آگئی۔ سب پڑھا پڑھایا ہوا
سب بھول گیا وہی اپنی ٹی ٹی یاد رہی بولنے لگا۔ ایک عقیدہ تو یہ
ہے کہ چالیس سال تک کچھ صفت نہیں جبرئیل نے آکر پڑھایا۔
اقرا پڑھو۔ زبردستی قرآن پڑھایا جیسا مار دھاڑ کر کسی میاں جی
کے یہاں تعلیم دی جاتی ہے۔ دوسرا عقیدہ ہے کہ نبی شروع سے
مجسّم قرآن ہے۔ ٹارچ کہا۔ ٹھوکر لگی۔ یعنی ہر شئے کو چار وجود ہے
ایک ذہنی۔ جیسے ٹارچ کہا تصویر کھینچ گئی مگر روشنی نہ ہوئی۔
دوسرا وجود۔ تقریری زبان سے کہا ٹارچ مگر روشنی نہ ہوئی۔ تیسرا
لکھ دیا ٹارچ مگر روشنی نہ ہوئی ان تینوں وجود میں ٹارچ ہے
مگر نور نہیں۔ چوتھا وجود اصلی یعنی حقیقی ٹارچ اس میں نور ہے۔
تو تین وجود بے نور تھے۔ پورا کام نہ چلا وجود اصلی نورانی عَلَّمَنَاہُ
مَا لَم یَکُن بِقَلَمِہٖ ہمارے یہاں سے تعلیم پا کر آیا۔ ہم نے
پڑھا کر بھیجا ہے۔ کوئی بمبئی سے آیا کسی قصبہ میں لڑکا بھی ساتھ

ہے۔ کہا انٹرنس پاس ہے اگر قصبہ میں نہیں پڑھا تو جاہل تھوڑا ہی ہے۔

نبی عرش پر پڑھا ہو بلکہ اس سے پہلے پڑھا ہو تو امی کیسے ہوگا۔ پھر آیت کا نازل ہونا کیا تھا۔ یہ تھا اجازت نامہ خزانے میں روپے ہیں آپ لینے گئے حکم نہیں آیا نہ ملا۔ جب حکم آ گیا تب مل گیا۔ اُوتِیَ الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖ علیؑ نے قبل قرآن یوں پڑھا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ علیؑ کو رسولؐ سے بڑھاتے ہیں۔ ارے ہم تو اتنے محتاط نہیں کہ اگر ایک رات کے لیے بھی علیؑ کو نبی کی شب ہجرت جنھوں نے سمجھا ان کو کافر کہہ دیا۔ تین پردے۔ رات۔ دیوار چادر۔ ہم علیؑ کو نبیؐ کا گوشت پوست نفس سمجھتے ہیں۔ پھر بھی نبیؐ نہیں کہتے تو اور کسی اور کو کیا کہیں گے۔

تم نے شان نبوت گھٹا دی۔ لہذا شان نبوت نہ رہی وہ گھٹی ہوئی شان اوروں میں نظر آئی ان کو نبیؐ ماننا پڑا۔ اتنا گھٹا دیا کہ تین نبی نکل آئے چوتھی عورت نبوت کا دعوی کرنے والی نکلی۔

كَذَالِكَ اَوْحَیْنَا مِنْ اَمْرِنَا مَا تَدْرِیْ وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوْرًا

نبیؐ کے ساتھ کتاب و نور تھا وارث وہ ہوں گے جس کے پاس

نور ہو گا۔ ایک گونگا اشارے کر رہا ہے آپ نہیں سمجھتے۔ گھر والے اُس کے اشارے سمجھتے رہیں گے کیونکہ گھر والے ہیں۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ۔ اِنِّیْ تَارِکٌ۔ وہی فی نکلی ثقلین کا ترجمہ لوگوں نے بوجھ کر دیا۔ ان سے اُٹھا نہیں ثقلین کے معنی قیمتی گرانقدر عترت کے معنی۔ عترہ۔ مشک نافہ کو کاٹ دو۔ دانے نکلتے ہیں ان کو عترہ کہتے ہیں۔ قرآن خدا کے یہاں سے نبیؐ کے گھر آیا وہ تو باقی۔ علیؑ خدا کے گھر میں آئے تو وہ باقی نہ رہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نبیؐ کے حکم سے کنکر بولے سمار گوہ۔ شجر بولے جمادات، نبادات کنکر بولے تو یقین اگر علی ابوتراب انسان نبیؐ کے ہاتھوں پر بولے تو تعجب ارے یہ ہی سمجھ لو کہ نبیؐ کے ہاتھوں میں کنکر بولیں۔

علیؑ بولے تو نبی ہی کا معجزہ سمجھ کر مان لو۔ ظہرین کہا تو دن کی نمازیں۔ مغربین کہا تو رات کی نمازیں جن میں دن مشترک تھا وہ ایک جگہ جن میں رات مشترک تھی وہ ایک جگہ عصر اور عشا کو مغربین نہیں کہہ سکتے۔ وقت دونوں کا مشترک ہو گا۔ اسی طرح فرمایا ثقلین دونوں ایک ہیں علی مع القرآن و قرآن مع علیؑ۔ زید آگے ہے عمر پیچھے جا رہا ہے تو کہیں گے کہ زید کے ساتھ عمر جا رہا ہے جو پیچھے ہے اُس کو کہتے ہیں وہ ساتھ جا رہا ہے اگر مولوی کے ساتھ

چور جارہا ہے تو دھبّہ لگے گا۔ چور کے ساتھ مولوی صاحب جائینگے
قرآن ساتھ ہے۔ علیؑ کے معجزہ۔ بغیر معجزہ نماز کے باقی نہیں رہ سکتا
حاجی حج کو گئے۔ کہاں گئے تھے۔ بیت اللہ گئے تھے۔ پوچھا اہلبیت
کے نام بتائیے۔ کہا معلوم نہیں ارے گھر کا چکر کاٹ رہا ہے اہلبیت
کے نام نہیں جانتا۔ بچہ کے کان میں اذان کیوں کہی جاتی ہے کیا وہ
سمجھتا ہے۔ ارے جو سمجھتے ہیں ان کو ہدایت ہے کہ بچے کے کان میں
خدا اور رسولؐ کے نام ڈالنا۔ انجمن بین الاقوام مسلمانوں کی حج ہے
نماز جماعت کے فائدے۔ انجمن بین الاقوام۔ میں لباس جدا گانے
ہیں۔ پہچانے جائیں گے ملکوں کی مگر یہاں پہلے حجامت بنوا ور
تاکہ بال بھر فرق نہ رہے۔ اکڑ کر نہ چلیں۔ وہاں سب کو دوڑایا حر
نے راستہ روکا مگر اقتدار نہ روکی۔ صبح کی نماز میں عبداللہ کو روکا
جناب علیؑ اکبر نے اذان دی۔ کربلا میں نماز روکنے والی بہت
چیزیں تھیں۔ مگر نماز نہ روکی۔ ساٹھ سیدانیاں، چالیس بچے فریاد
کر رہے ہیں۔ تیر برس رہے ہیں۔ باجے بج رہے ہیں۔ زمین آسمان
تپ رہا ہے نماز نہ رکی سیدانیوں نے ایک دن نماز قضا نہ کی۔ سفر
نہ روکا تو اونٹ پر اشاروں سے نمازیں پڑھی ہیں لوگ شام کے
جو بگڑ جائے کہ یہ اہلبیتؑ تھے بلکہ ان کی عبادت نے کل کے دل پھیر دیے۔

کوئی حسینؑ کی طرف سے ٹوٹ کر یزید کی طرف نہیں گیا۔ یزید کے دو بیٹے یزید سے ٹوٹ کر حسینؑ کی طرف آ گئے۔ اہلبیت کے اوصاف و صفات نے انقلاب پیدا کر دیا۔ امام چہارم نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ بس یادِ خدا اور رونا باپ پر دونوں عبادت۔ شادی کے گھر گئے لوگ دوڑے بازار میں اعلان ہوتا چلا جا رہا ہے امام آ رہے ہیں۔ ایک دن جا رہے تھے دیکھا کہ ایک آدمی چھری لیئے ہوئے بکرے کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ فرمایا کیا کرتا ہے وہ گھبرایا کہا آپ کے نانا نے حلال کیا ہے بچے بھوکے ہیں اس کو ذبح کروں گا۔ فرمایا منع نہیں کرتا یہ بتا دے پانی پلا لیا ہے اس نے کہا میں نے دانہ پانی پلا دیا ہے۔ فرمایا اے ابن سعد میرا باپ اس قابل بھی نہ تھا پیاسا ہی ذبح کر دیا امام نے اونٹ کو ذبح نہیں کیا جب مر گیا تو کفن دے کر دفن کیا۔ صحیفہ کاملہ میں کئی دعائیں ہیں ان سے عبادت ظاہر ہوتی ہے رونے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ وہ مقام عبادت ہے ویسے رونے کی روایات کس قدر ہے۔ منہال کا واقعہ مولا کب تک روئے گا۔ فرمایا یعقوب ایک فرزند کو بارہ سال روئے اور میرے تو اٹھارہ عزیز میرے سامنے کٹے پڑے تھے عرض کیا شہادت تو آپ کا ورثہ ہے تو فرمایا کیا ماں بہنوں کا سر برہنہ درباروں میں جانا بھی ورثہ ہے۔

مرنے کے بعد دفن میں جلدی کرتے ہیں آخر وقت کفن پہنا کر چہرہ
دکھایا جاتا ہے تو جلدی ڈھک دیا جاتا ہے کہ کوئی عزیز بیہوش
نہ ہو جاوے سیدانیوں کے سامنے کتنی لاشیں تھیں حضرت
ام البنین کے رونے پر مروان جیسا سخت دل رویا ہے علیؑ نے
جب ان سے شادی کی اور جب گھر میں آئیں تو پہلے چوکھٹ پر بوسہ
دیا۔ فاطمہؑ کے بیٹے کچھ ذکر کر رہے ہیں علیحدہ ان کے پاس پہنچی
کہا صاحبزادوں ماں بن کر نہیں آئی ہوں کنیز بن کر آئی ہوں۔ پوتے
کا ہاتھ پکڑا جنت البقیع میں پہنچی چار قبریں بنائیں۔ اے جعفر یہ
تیری قبر ہے اے عبد اللہ تیری قبر ہے۔
عباسؑ کی قبر بنائی یہ تیری قبر ہے پھر ایک قبر بنائی عبداللہ تجھ
کو نہیں روتی۔ دوسری قبر بنائی جعفر تجھ کو نہیں روتی۔ عباسؑ کی
قبر بنائی تجھے نہیں روتی۔ ارے تیری ماں تجھ پر رونے کو موجود ہے۔
میں تو حسینؑ کو روتی ہوں۔ جب قافلہ قید سے چھوٹ کر مدینہ آیا۔
بشیر نے اطلاع کی۔ دروازہ پر ایک لڑکا کھڑا تھا۔ اُس نے کہا اے شخص
میرے بابا بھی آئے ہیں کہا کون ہو کہا میں عباسؑ کا لڑکا ہوں کہا وہ تو شہید ہو
گئے۔ محمد حنیفہ جب باہر پہنچے تو امام چہارم سے ملے ان سے پوچھا زینبؑ بہن
کہاں ہے ایک خیمہ میں گئے تو زینبؑ کو نہ پہچانا پوچھا تم ہی زینب ہو۔
تمام شد۔

چھٹی مجلس

عالی جناب صفوۃ العلماء الحاج مولانا السید کلب عابد صاحب قبلہ مجتہد العصر

(ڈین شیعہ تھیالوجی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

ام یقولون بہ جنۃ بل جاء ھم بالحق واکثر ھم للحق کارھون ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموات والارض ومن فیھن بل اتینٰھم بذکرھم فھم عن ذکرھم معرضون۔

ارشاد خداوندی ہے اگر حق ان کی خواہش کا تابع ہو جائے تو زمین و آسمان برباد ہو جائیں۔ یہ عظیم کائنات اپنی سیکڑوں کہکشاؤں، کروڑوں آفتابوں، بے حساب ستاروں کے ساتھ رواں دواں ہے، کب سے ہے خدا ہی جانے اور کب تک رہے گی اسی کو معلوم ہے۔ اس عظیم کائنات کے ذرہ بے مقدار، یعنی زمین کے ایک مختصر سے حصے پر بسنے والی کمزور مخلوق، انسان کے چھوٹے سے

دماغ میں یہ گنجائش کہاں کہ وہ عالم کی پہنائیوں کا احساس بھی کر سکے۔ اس کی کمزور عقل اور ناتواں ذہن میں یہ طاقت کہاں کہ کائنات کی وسعتوں کا تصور بھی کر سکے۔ جو اپنے زیر قدم زمین ہی کے رازوں کو آج تک نہ سمجھ سکا وہ اس وسیع کائنات کی حدوں کو ہزاروں سال بعد بھی کیا سمجھے گا اور جو حدود ہی کو نہ سمجھ سکے وہ ان مقاصد اور رازوں کو کیا دریافت کر سکے گا جو عالم میں چھپے ہوئے ہیں۔

بس وہ یگانہ و یکتا خالق کائنات ہی ہے جو نظم عالم کا ذمہ دار ہے۔ اسی کے اشارہ پر اتنا بڑا کارخانۂ قدرت چلتا ہے اور چلتا رہے گا۔ نہ وہ کسی سے مشورہ لیتا ہے اور نہ اسے کسی کی رائے کا احتیاج ہے۔ ایک اشارۂ قدرت پر ہوائیں چلتی ہیں۔ دریا رواں دواں ہیں۔ آفتاب نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ ماہتاب اپنی منزلیں طے کرتا ہے۔ موسم کی آمد ورفت جاری ہے۔ جو نظم مقرر کر دیا ہے، عالم کا ہر ذرہ اس کا پابند ہے۔ انسان کے لیے نہ تو ممکن ہی ہے کہ ان مصلحتوں کو سمجھ سکے اور نہ اس کو حق ہے کہ مشورہ پیش کرے۔

پھر ہماری متضاد خواہشیں، ایک دوسرے سے مختلف تمنائیں۔ آپس میں ٹکراتے ہوئے مقاصد، کیونکر ممکن ہے کہ ہر ایک کی

خواہش پوری ہو۔ لہذا ارشاد ہوا لواتبع الحق اھوائھم لفسدت السموات والارض حق اگر تمہاری خواہشوں کا تابع ہو تو زمین اور آسمان اور جو جو اس میں ہیں سب برباد ہو جائیں۔ وہ تمہارا تابع نہ ہو گا۔ تم کو لازم ہے کہ اس کی پیروی کرو جس طرح نظام تکوینی میں انسانی رائے کو دخل نہیں ہے۔ اسی طرح نظم عالم قائم کرنے والے نے دنیائے انسانیت کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لیے نظام شریعت بھی مقرر فرمایا ہے جس میں ہر ایک کے حقوق معین ہر شخص کی زندگی کے ایک رفتار ایک راستہ ایک منزل مقرر کی گئی ہے جس طرح لامحدود فضا میں گردش کرنے والے سیارے مقرر شدہ راہیں چھوڑ دیں تو ٹکرا ٹکرا کر تباہ ہو جائیں۔ اسی طرح انسان بھی اپنی راہوں، اپنی منزلوں کو ترک کر دے تو اغراض و مقاصد کا ٹکراؤ فتنہ و فساد کا سبب بن جائے گا۔

آج دنیا کی تباہی و بربادی، بے امنی و فساد کا راز یہی ہے کہ نہ افراد اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ قومیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ افراد افراد سے ٹکراتے ہیں اور قومیں قوموں سے دست گریبان ہیں۔ مگر اسی نفسی نفسی کے عالم، غصب حقوق اور ظلم و جور کے اندھیرے میں، کچھ حق کے پرستار صداقت کے علمبردار بھی ہیں جو

ہوا و ہوس کے بندوں سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ یہ حق و صداقت کے نمائندے، دنیا میں حق کا نور پھیلانے کے لیے کوشاں ہیں دوسری طرف ہوا و ہوس انسان کی کسی حد پر نہ رکنے والی خواہشیں ہیں جو ان حق پرستوں کو زندہ رہنے کا حق بھی دینے پر تیار نہیں۔

اسی نظریہ کی نمائندگی کرتا ہے یہ مقولہ کہ طاقت حق ہے۔ جو بات بھی کسی ظالم و جابر ڈکٹیٹر کی زبان سے نکل جائے وہی حق ہے۔ اس کی مخالفت باطل۔ نمائندگان حق کہتے تھے حق حق ہے باطل باطل۔ کسی بڑے سے بڑے قہرمان کے کہنے سے حق باطل اور باطل حق نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہوا و ہوس کے بندے مادّی طاقت کے پرستار، کبر و نخوت میں چور افراد، کب یہ برداشت کر سکتے تھے کہ ان کی مخالفت میں کوئی آواز بلند ہو۔ جب وہ چند کمزور و بے سہارا لوگوں کو اپنے جبروت سے لاپرواہ اور اپنی طاقتوں سے بے خوف و خطر ہو کر آوازِ مخالفت بلند کرتے دیکھتے تھے تو جھنجھلا جھنجھلا کر ظلم و ستم کے طوفان اٹھاتے تھے۔ وہ کہتے تھے ہم اس زبان کو کاٹ دیں گے۔ اس گلے کو دبا دیں گے اور اس شخص کو کچل دیں گے جو ہماری خواہشوں کو ٹھکرائے گا۔ یہی آویزش تھی جو باطل پرستوں اور حق کے نمائندوں میں قائم رہی۔

کبھی آدمؑ و شیطان کی صورت میں نمایاں ہوئی۔ کبھی ہابیلؑ و قابیل کے پیکر میں ظاہر ہوئی۔ کبھی باطل پرستوں کا نمرود اور حق کے پشت پناہ ابراہیمؑ نظر آئے کبھی یہی آویزش موسیٰ اور فرعون کے ٹکراؤ کی صورت میں نمایاں ہوئی۔ نمرودیوں نے آگ بھڑکائی جس کو ابراہیم نے ہنس کر گلزار بنا دیا۔ فرعون مصر ساحروں کی فوج لے کر آیا۔ موسیٰ نے عصا کا سہارا لیا۔ یہی وہ جنگ تھی جس کے ایک فریق رسالتمآبؐ اور دوسرا ابولہب اور ابوجہل تھے۔ ایک طرف ظلم و جور کی طاقتیں مجتمع تھیں۔ دوسری طرف بے یاری و مددگاری۔ پتھر مارے جاتے تھے، بائیکاٹ کرایا جاتا تھا۔ ہر ظلم جو بس میں تھا ڈھایا جاتا تھا۔ دولت کی، سرداری کی، خواہشاتِ نفس پوری کرنے کی لالچ دی جاتی تھی اور ادھر وہ مشہور و معروف جواب تھا کہ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیا جائے تو بھی کلمۂ حق سے باز نہ آؤں گا۔

جب دیکھا کہ کوئی افسوں کارگر نہیں ہوتا تو پھر ظلم و ستم کی آندھیاں چلیں آخر وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ مدینے میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔ کبھی رسول کو بدر میں عبیدہ کی قربانی دینا پڑی۔ کبھی احد میں حمزہ کی ٹکڑے ٹکڑے لاش پر گریہ کرنا پڑا۔ چڑھائیاں ہوتی رہیں

ایک کے بعد دوسرا حملہ اور شدّت سے کیا جاتا رہا۔ مگر ہر ظلم کا نتیجہ ظالموں کی امید کے خلاف نکلا۔ حق چمکتا ہی گیا، نکھرتا ہی گیا۔ باطل پرست ظلم کرتے کرتے تھک گئے۔ حق کے نمائندے ظلم سہتے سہتے نہ تھکے۔ جب مکمل شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو باطل نے طریقۂ جنگ بدلا۔ اب کفر نے اسلام کی نقاب اوڑھی۔ شرک نے نفاق کا پردہ ڈالا۔ اللہ نے بھی رسولؐ کو خبردار کیا۔ اے میرے رسول اب تجھے دو محاذوں پر جنگ کرنا ہے جاھد الکفار والمنافقین۔ کفار سے بھی جنگ کرو منافقین سے بھی۔

یہ حق و باطل کی لڑائی رسول پر ہی ختم نہیں ہوئی۔ حق کے نمائندے ظلم و جور کی طاقتوں سے ٹکراتے رہے۔ ہر شدت برداشت کرتے رہے۔ مگر کبھی باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ یہاں تک کی نمائندگی حسینؑ تک پہنچی اور باطل کا نمائندہ بن کر یزید تخت حکومت پر بیٹھا اور وہی پرانا مطالبہ حق کے نمائندے کے سامنے پیش ہوا اے حسینؑ بیعت کرو۔ امام نے جو جواب دیا وہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے ان مثلی لایبایع مثلہ میرے ایسے یزید کے ایسوں کی کبھی بیعت نہیں کرتے۔ امام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں بیعت نہیں کروں گا بلکہ ارشاد فرمایا کہ جو بھی میرے ایسے ہیں وہ اس کے ایسوں کی کبھی بیعت نہیں کرتے۔ اسی ایک

جملہ میں ہزاروں برس کی داستان پوشیدہ ہے۔ گویا فرما رہے ہیں اگر آدمؑ نے شیطان سے شکست قبول کی ہوتی اگر نوحؑ نے کفار کے مطالبہ کو مانا ہوتا، اگر ابراہیمؑ نے نمرودیت کے سامنے سر جھکایا ہوتا، اگر موسیٰؑ نے فرعون کے مقابلہ میں شکست منظور کی ہوتی تو میں بھی یزید کے مطالبۂ بیعت کو قبول کر لیتا۔

یہ تو ماضی کی داستان ہے۔ مستقبل کی تصویریں بھی اسی آئینہ میں جھلک رہی ہیں۔ گویا حسینؑ کہہ رہے تھے کہ میرا ایسا بیعت نہیں کرنا چاہے نانا کا مزار چھوڑنا پڑے، ماں کی لحد سے جدا ہونا ہو، خانہ خدا میں بھی پناہ نہ ملے۔ اسی جملہ کی تشریح تھی کہ حسینؑ نے ۲۸ رجب کو مدینہ چھوڑا۔ ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے عین حج کے موقع پر روانہ ہوئے۔ اب لو کے تھپیڑے ہیں، عرب کا ریگستان ہے۔ ایک مختصر سا قافلہ اپنے وعدہ گاہ کی طرف تیزی سے رواں ہے۔ جن میں ذرا بھی کھوٹ ہے ان کو ہر منزل پر جدا کر رہے ہیں۔ جو حق پرست ہیں ان کو شبیہ پیغمبر کو بھیج کر، کبھی خط لکھ کر بلایا جا رہا ہے۔ قافلہ موسم کے شدائد برداشت کرتا بڑھ رہا ہے کہ دو سوار نظر آتے ہیں جو دریافت کرنے پر کہتے ہیں مولا! کوفہ سے اس وقت چلے تھے جب آپ کے ایلچی کی مقدس لاش کی کوفہ میں بے حرمتی کی جا رہی تھی۔ قافلہ کچھ اور آگے بڑھا۔ ایک منزل پر امام نے

حکم دیا کہ جتنی مشکیں، چھاگلیں، ظروف ہیں پانی سے بھر لئے جائیں مصلحت
اس وقت کھلی جب دشمن کا پیاسا لشکر ستر راہ ہوا۔ سرچشمہ جود و سخا
سردار نے تاجدار وفا علمدار سے کہا بھیّا مجھے گوارا نہیں کہ کوئی جاندار
پیاس کی تکلیف برداشت کرے۔ پیاسوں کو پانی پلایا گیا حسینؑ نے
خود بہ نفس نفیس ایک ایک سے پوچھا کہ اب تو پیاس نہیں رہی۔

صلح کل امام کی طرف سے جو بھی شرطیں پیش کی گئیں، سب رد
کی گئیں۔ مگر راہ خدا میں بڑھنے والوں کو کوئی روک سکتا ہے۔ کہنیوں
اور ہاتھوں سے دشمن کو ہٹاتے ہوئے راہ رضا میں بڑھنے والے بڑھ
رہے تھے کہ فرس امام کے قدم کو ارض کربلا نے بوسہ دیا اور حسینؑ کا
فرس اس عظیم المرتبت زمین کے احترام میں رکا۔ گھوڑے بدلے گئے۔ مگر
کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ دریافت کرنے پر ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ اس
کو زمین کربلا بھی کہتے ہیں۔ امام یہ سنتے ہی گھوڑے سے اترے۔ فرمایا
واللہ ھٰھنا مناخ رکابنا محط رحالنا مسفک دمائنا
ھتک حرمتنا یہی وہ زمین ہے جہاں ہمارے خیمے جلائے جائیں گے
ہمارے خون بہائے جائیں گے ہمیں ہر طرح ذلیل کرنے کی کوشش
کی جائے گی۔

محرم کی دوسری تاریخ تھی جب حسینی قافلہ نے کربلا میں ڈیرہ

ڈالا۔ دن پر دن، راتوں پر راتیں گزرنے لگیں۔ فوجوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ محرم کی ساتویں آئی۔ مسافروں پر بندشِ آب کے احکام آ گئے۔ روز بروز بچوں کی پیاس بڑھنے لگی۔

نو محرم کو حسینؑ ہر طرف سے دشمنوں میں گھر گئے۔ نہم محرم کو عصر کا ہنگام تھا کہ فوجِ ظلم میں حرکت ہوئی۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر طوفان کی طرح بڑھا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں اور اسلحہ کی جھنکاروں سے میدانِ کربلا تھرا اٹھا۔

بہن نے آ کر بھائی کو ہوشیار کیا۔ بھیّا ~~آرام کر رہے ہیں~~ دیکھئے فوجوں نے حملہ کر دیا۔

حسینؑ عباسؑ سے مخاطب ہوئے یا اخی فدالک نفسی۔ اے بھائی تم پر میں قربان ہو جاؤں ذرا ان سے ایک شب کی مہلت مانگو۔ بڑی ردّ و کد کے بعد ایک رات کی مہلت ملی۔ اور دنیا نے اسی ایک شب میں حق پرستوں اور باطل نوازوں کے فرق کو دیکھ لیا۔ ایک طرف عبادت تھی، دوسری طرف عیش پرستی، ایک طرف تلاوتِ قرآن پاک تھی، دوسری طرف رقص و سرود۔ ایک طرف مناجاتیں تھیں، دوسری طرف قہقہے۔ شب اسی طرح بسر ہوئی۔

تاریکیاں چھٹیں، نور پھیلا، سپیدۂ سحر یوں نمودار ہوا جیسے حق کی

روشنی باطل کی سیاہی کافور کرتی ہے۔ نمازیوں نے مصلے بچھائے۔ شبیہ پیغمبرؐ نے اذان دی۔ ابھی عبادت گزار مصلوں سے نہ اٹھے تھے کہ دشمن کے تیر پیغام جہاد لے کر آئے۔ بوڑھوں نے کمر کسی۔ جوان جوش شجاعت میں جھولے۔ چھوٹے بچوں نے اونچے ہو ہو کر بڑوں کے شانوں سے شانہ ملایا۔ جنگ چھڑی۔ حق کی بقا کے لیے قربانیاں دی جانے لگیں۔ انصار ختم ہوئے۔ اعزہ کی باری آئی۔ امام کبھی قاسم کا لاشہ سینے سے چمٹائے ہوئے لائے۔ کبھی عونؑ و محمد کا بہن کو پرسہ دیا۔ کبھی کڑیل جوان بھائی کی لاش خیمہ تک نہ لا سکے تو خون بھرا علم اور چھدی ہوئی مشک لے کر پلٹے۔ علی اکبرؑ کی لاش نہ اٹھی تو بچوں نے سہارا دیا۔ علی اصغرؑ کے گلوئے نازک سے تیر کھینچا۔ آغوش مادر کی تربت کو سپرد قبر کیا۔

اب حسینؑ میدان میں تنہا ہیں۔ مگر ہمت میں کمی، ارادے میں سستی نہیں، جبیں پر شکن نہیں۔ واہ رے بلند ہمت آقا آپ نے ثابت کر دیا کہ حق والا باطل سے کسی دوسرے کے سہارے کسی مدد کے بھروسے پر ٹکر نہیں لیتا۔ جوں جوں مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں حسینؑ کا چہرہ کھلتا جاتا ہے۔ تیروں، تلواروں، نیزوں کا بڑھ بڑھ کر استقبال کرتے ہیں۔ کسی کو پیشانی پر جگہ دی۔ کسی کو قلب و جگر میں، کسی کی منزل

صدرِ مطہرؑ ہوا تو کسی کو پہلو ئے مبارک۔ اسی عالم میں عصر کا ہنگام آیا۔ نمازی نے اشاروں میں نماز شروع کی۔ عبد و معبود میں راز و نیاز ہونے لگا۔۔۔۔ حسینؑ محوِ عبادت تھے کہ سینہ پر نیزہ پڑا۔ نمازی سجدۂ شکر کے لیے گھوڑے سے خاک کربلا کی طرف جھکا۔ عالم میں تلاطم ہوا، ملائکہ میں شورِ گریہ بلند ہوا۔ رسولؐ تڑپ کے بڑھے۔ علیؑ مضطربانہ دوڑے۔ فاطمہؑ نے بے قرار ہو کر گود پھیلائی۔ اے میرے زخمی فرزند۔ اے خون میں شرابور نونہال۔ آ۔ جلتی ریت پر نہیں۔ میری آغوش میں سر رکھ۔ چراغِ خانۂ فاطمہؑ شمر کے کند خنجر سے بجھا۔ عالم میں تاریکی پھیلی۔ سیاہ آندھیاں چلیں۔ زلزلے آئے۔ آسمان سے خون برسا۔ مگر ظالموں کا جذبۂ ظلم کم نہ ہوا۔ پسرِ سعد نے کہا سپاہیو! ابھی کمر نہ کھولنا۔ سوارو! ابھی گھوڑے سے نہ اترنا۔ ظلم کے ترکش میں ایک تیر اور بھی ہے۔ ابھی مظلوم کے لاشے کی پامالی باقی ہے۔

گھوڑے لاشۂ حسینیؑ کی طرف بڑھے۔ بیکس بہن فریاد کرتی دوڑی اے اشقیائے کوفہ و شام! بھائی کی جگہ بہن کو پامال کر دو۔ مگر بہن روتی رہی چلاتی رہی اور بھائی کا لاشہ نظروں کے سامنے پامال ہو گیا۔ آندھیاں چل کر رکیں۔ غبار اٹھ کر بیٹھا۔ زمین لرز کر تھمی۔ لیکن کیا حق و باطل کی جنگ ختم ہو گئی؟ ظلم و انصاف کی لڑائی تمام ہو گئی؟ نہیں اب

بھی باقی ہے۔ صرف انداز جنگ بدل گیا۔ سپاہی بدل گئے۔ سردار لشکر دوسرا ہو گیا۔ اب سردار حسینؑ نہ تھے زینبؑ تھیں۔ علمدار سپاہ عباسؑ نہ تھے، ام کلثومؑ تھیں۔ بجائے علی اکبرؑ کے مادرِ علی اکبرؑ قاسمؑ کی جگہ کبریٰ، علی اصغرؑ کے مقام پر سکینہؑ تھیں۔ اب حفاظت حق کے تلواریں نہیں، دُرّے کھانا تھے۔ تیروں کی جگہ طمانچے، سر دینے کے بجائے چادریں دی جا رہی تھیں۔ بازو کٹوانے کے عوض بازو میں رسن بندھ رہی تھی۔ جنگ ختم نہیں بلکہ اور شدید تر اور سخت تر ہو گئی۔

جس طرح روز عاشورہ سے قبل شب عاشور تھی اسی طرح کوفہ اور شام کی بازاروں سے پہلے شام غریباں آئی۔ مگر فرق کے ساتھ شب عاشور خیمے تھے اور ان میں عبادتیں تھیں۔ آج کی رات جلی قناتیں اور ان میں بچوں کی فریادیں تھیں۔ شب عاشور عباسؑ طلایہ پر تھے اور آج زینبؑ خیمہ کے گرد گشت کر رہی ہیں۔ فوج مظلومیت کی سپہ سالار اعظم زینبؑ نے اپنے لشکر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ دو بچے کم نظر آئے۔ بہن سے مخاطب ہوئیں۔ ام کلثومؑ بھائی کو کیا جواب دونگی یہ دو بچے نظر نہیں آتے۔ دونوں بہنیں تلاش میں نکلیں۔ ایک نرم زمین کے قریب دیکھا۔ دونوں بچے گلے میں باہیں ڈالے آرام کر رہے ہیں۔ کہا بہن ذرا آہستہ بڑھنا۔ شاید بچے تھک کر سو گئے ہیں۔ مگر جب قریب

پہنچیں تو دیکھا دونوں بچے اپنے بابا کے پاس جا چکے ہیں۔ زینبؑ نے کہا ہوگا بھیا! دن بھر آپ لاشے اٹھاتے رہے۔ اب آپ کی بہنیں دو یتیموں کی لاشیں اٹھاتی ہیں۔ بھیا! آپ نے تو علی اکبرؑ کا لاشہ اٹھانے کے لیے بچوں کو آواز بھی دے لی تھی۔ اے بنی ہاشم کے بچو! آؤ بھائی کا جنازہ اٹھاؤ۔ اب بہن کس کو پکارے۔ بچے اتنے تھک چکے ہیں کہ لاشوں میں ہاتھ لگانے کا دم نہ ہوگا۔

خیمہ میں پھر سے صفِ ماتم بچھی۔ ایک کہرام بپا ہوا۔ مگر زینبؑ کو اب رونے کی بھی فرصت نہ تھی۔ آنکھوں آنکھوں میں تلاش کیا تو ان بین کرنے والوں، ماتم کرنے والوں میں سکینہؑ نظر نہ آئیں۔ یہ علیؑ کی بیٹی، حسینؑ کی بہن کی ہمت تھی کہ دن بھر کی تھکی، ماندی شکستہ دل زینبؑ پھر خیمہ سے حسینؑ کی چہیتی کو تلاش کرنے نکلیں۔ کبھی دریا کی طرف گئیں۔ شاید چچا یاد آ گئے ہوں۔ کبھی گنجِ شہیداں میں آئیں۔ شاید بھیا کے پاس چلی گئی ہوں۔ کبھی میدان کی طرف گئیں مگر سکینہؑ کہیں نہ ملیں۔ ایک سوار نے بتایا۔ نشیب سے ایک بچی کے رونے کی آواز سنی ہے۔ زینبؑ دوڑی ہوئی نشیب کے قریب آئیں۔ دیکھا بچی ایک لاش بے سر کے سینے پر سر رکھے ہوئے ہے۔ میں کہتا ہوں اے سکینہؑ! یہ رات کا سناٹا، یہ دشتِ کربلا کا پرہول سماں، یہ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر۔ اس

عالم میں آپ کا خیمہ سے کیسے قدم نکلا؟ شاید سکینہؑ جواب دیں کہ مجھے نہیں معلوم۔ جب رات ہوتی ہے بچے وہ جگہ تلاش کرتے ہیں جہاں سونے کے عادی ہوتے ہیں۔ میں بابا کے سینے پر سونے کی عادی تھی۔ جب بابا خیمہ میں نہ ملے تو میں نے میدان میں وہ سینہ تلاش کر لیا جس پر سر رکھ کے نیند آ گئی۔

ساتویں مجلس

از مولانا سید منتظر جعفر صاحب قبلہ (دوہی پوری)

مدح البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان فبای الاءِ الخ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان فبای الاء ربکما تکذبان۔

ارشاد خالق آدم و بنی آدم ہو رہا ہے کہ ہم نے دو دریا جاری کئے ہیں جو باہم ملے جلے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک حد ہے (آڑ) جس سے تجاوز نہیں کرتے۔ پس اے گروہ جن و انس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور انھیں دریاؤں سے موتی اور مونگے بھی نکلتے ہیں پھر اے گروہ انسانی تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو نہ مانو گے یہ آیات قرآنی سورۂ رحمٰن کی بہت ہی مشہور و معروف آئتیں ہیں۔

ان آیات میں خالق کائنات اپنی نعمات کو بندوں پر پیش فرما کر فخر یہ کہہ رہا ہے کہ چلو تم ہماری نعمتوں کو جھٹلاؤ دیکھیں تم کہاں تک جھٹلاتے ہو۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دریاؤں کا جاری کرنا"

ان میں حد فاصل کی وجہ سے ان کا آپس میں نہ ملنا اور ان سے موتی
اور مونگے کا پیدا ہونا کون سی اتنی اہم نعمتیں ہیں جن پر قدرت کو ناز
ہے۔ مجھے نعوذ باللہ ان تمام اشیاء کے نعمت ہونے میں شک نہیں ہے۔
یقیناً پانی وہ عظیم الشان نعمت ہے جس پر کائنات کی حیات کا دارومدار
ہے۔ خود خداوند عالم کہہ رہا ہے کہ ہم نے پانی سے ہر شئے کو زندہ کیا
ہے۔ اور یہ روزانہ کے مشاہدے کی چیز بھی ہے۔ جہاں نباتات کو پانی
نہ ملا خشک ہو گئے اور حیوانات کو پانی نہ ملے تو دم توڑنے لگیں۔ اور
اگر انسانوں کو بھی پانی نہ ملے تو چند دنوں زندہ نہ رہ سکیں۔ لہٰذا ان
صورتوں میں پانی کے نعمت ہونے میں کیسے شک ہوتا ہے لیکن انداز
آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق کی مراد اس سے بالاتر نعمت ہے۔
اس لئے کہ پانی تو حیات کے بعد بقا کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا پانی اس
نعمت سے بڑھ نہیں سکتا جو حیات کی عطا کرنے والی ہو۔ اور وہ نعمت
کون ہے۔ وہ وہی نعمتیں ہیں جن کے لیے خدا اپنے عز و جلال کی قسم
کھا کر فرماتا ہے کہ انی ما خلقت سماءً مبنیۃً ولا ارضاً مدحیۃً
ولا قمراً منیراً ولا شمساً مضیئۃً ولا فلکاً یدور ولا بحراً یجری ولا
فلکاً یسری الا فی محبۃ ہولاء الخمسۃ الذین ہم تحت الکساء
یعنی زمین و آسمان کو پیدا کیا جو بلند اور مستحکم ہے۔ اور نہ روشن چاند

کو نہ چمکتے ہوئے سورج کو اور نہ گردش کرتے ہوئے افلاک کو اور نہ دریا کو جو جاری ہوتا ہے۔ اور نہ کشتی کو جو رواں ہوتی ہے۔ مگر یہ کہ انھیں پانچوں کی محبت میں جو چادر کے نیچے ہیں۔ صلوٰۃ۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آل محمد ہی وہ نعمات ہیں جنھیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ تفسیر درمنشور میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ مرج البحرین یعنی قدرت نے جو دو دریا جاری کئے ہیں ان میں ایک کا نام علی ہے اور دوسرے کا نام فاطمہ ہے اور ان دونوں کے درمیان حد فاصل پیغمبر اسلام ہیں۔ جن کو نگراں قرار دیا گیا ہے۔ اور جب یہ دونوں بحر عصمت ملے تو شاہزادہ کونین حسن و حسین علیہم السلام موتی اور مونگے بن کے نکلے۔ لیجئے بات واضح ہو گئی کہ بحرین کے مراد علی و فاطمہ ہیں اور حد فاصل سے مراد پیغمبر اسلام ہیں۔ اور لوٗلوٗ والمرجان سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

لیکن یہاں ایک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ قدرت نے علیؑ و فاطمہؑ کی تعبیر دریا سے کیوں فرمایا۔ شاید قدرت نے دریا سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ جس طرح دریا بالذات طاہر اور مطہر ہوا کرتا ہے۔ اس طرح اہلبیت بھی بالذات طاہر و مطہر ہیں یعنی خود بھی پاک ہیں اور دوسروں کو بھی پاک کرتے ہیں خود تو اس قدر پاک ہیں کہ قدرت یوں اعلان

کر رہی ہے انما یرید اللہ لیذھب۔ الخ

اور دوسری روایت بشارۃ المصطفیٰ کی ہے جسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت کی محبت سے کس طرح گناہ دھلتے ہیں۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز جناب سرور کائنات اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور جناب فاطمہ زہرا اور حسنین علیہم السلام ایک مقام پر تشریف فرما ہیں کہ یکایک پیغمبر اسلام مسکرائے جناب امیر علیہ السلام نے سبب دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ اس وقت مسکرانے کا کیا سبب ہے۔ ارشاد فرمایا اے علیؑ ابھی جبرئیل امین نے تمہارے شیعوں کے متعلق ایک خوشخبری سنائی جس سے مجھے مسرت و خوشی ہوئی یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا اے اللہ کے رسول گواہ رہیے گا میں نے اپنے نصف حسنات اپنے شیعوں کو عطا کئے اس کے بعد جناب فاطمہ زہرا و حسنین علیہم السلام نے بھی اپنے اپنے نصف حسنات عطا کیے پھر نبی کریم نے شیعوں کے شفاعت کی ذمہ داری لی پھر ندائے قدرت آئی کہ اے اہلبیت رسالت تم مجھ سے زیادہ جواد و کریم نہیں ہو اگر تم نے اپنے حسنات دئے تو میں انھیں قیامت میں بخش دونگا۔ صلوٰۃ۔

بہر حال اہلبیت کی طہارت وہ ہے جس کا دنیا اعتراف کر چکی ہے۔

دریا میں وہ زور طہارت کہاں جو اہلبیت میں ہے۔ دریا یقیناً نجس چیزوں کو پاک کرتا ہے مگر شرائط ہیں جب نجس چیز کو اس سے ملایا نہ جائے پاکی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اہلبیت کی طہارۃ وہ ہے جس میں ظاہری اتصال کی ضرورت نہیں کہ اس بحر عصمت سے ظاہر بظاہر ملے جبھی پاک ہو گا بلکہ ہند کا رہنے والا نجف کے ساقی کا کلمہ پڑھ لے تو طہارۃ دوڑ کر آئے اور ایسا پاک کر دے کہ جنت اپنی آغوش تمنا میں جگہ دے صلوٰۃ۔

اور جب ایسے بحر ناپیدا کنار عصمت آپس میں ملیں گے تو کیسے موتی اور مونگے پیدا ہوں گے۔ یہ تو آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ موتی کی انتہائی قدر وقیمت کیا ہوتی ہے یہی نا کہ کسی بادشاہ کے سر چڑھے۔ تاج کی زینت بنے یا خزانوں میں حفاظت سے رکھا رہے۔ لیکن یہ موتی ایسے تھے کہ قدرت نے اپنے خزانے کے لیے منتخب کیا تھا جب کسی چیز کو زینت دینا منظور ہوئی انھیں موتی اور مونگے سے سج دیا۔ عرش کی عزت بڑھانی ہوئی تو انھیں گوشوارہ عرش بنا دیا۔ آدم کی عزت بڑھانی ہوئی تو پیشانی کو سج کر مسجود ملائکہ بنا دیا۔ رسالت کو فروغ دینا ہوا تو بیٹا بنا دیا اگر آیت کو زینت دینی ہوئی تو لولو و مرجان کہہ دیا اور ہم غلاموں کی عزت بڑھانا ہوئی تو

امام بنا دیا۔

چنانچہ پیغمبر اسلام ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ دونوں میرے فرزند امام ہیں چاہے کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں۔ نبیؐ نے مختصر سے جملوں میں اپنے دونوں فرزندوں کی پوری سوانح حیات پیش فرما دی ہے کہ دیکھو میرا فرزند حسن اگر دین کے بچانے کی خاطر کسی سے صلح کر کے گھر میں بیٹھ رہے جب بھی امام ہی رہے گا اور اگر میرا فرزند حسین علیہ السلام اسی دین کی حفاظت کے لیے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر میدان میں آ جائے جب بھی امام ہی رہے گا۔ باغی نہیں ہو سکتا۔ دنیا کہتی ہے کہ حسینؑ نے امام حسنؑ کی طرح کیوں نہ صلح کر لی۔ حسینؑ صلح کس طرح کرتے۔ اس لئے کہ امام حسنؑ کے زمانے کے حالات اور تھے۔ امام حسینؑ کے زمانے حالات اور تھے۔ اور پھر یہ صلح کوئی ورثہ مخصوص بھی نہ تھا کہ حسینؑ صلح کرتے۔ بہر حال حسینؑ نے اگرچہ صلح نہیں کی۔ مگر حسین ہر وقت یہی چاہتے تھے کہ امن و امان اور صلح و آشتی کے ساتھ تمام مراحل طے ہوں۔ اسی لئے جب حسینؑ کو خطرہ لاحق ہوا تو حسینؑ جائے امن و امان یعنی خانہ کعبہ کی طرف چلے۔ جہاں شکار تک حرام قرار دیا گیا۔ ایسی پُر امن جگہ بھی حسینؑ نے دیکھا قتل و غارت کا امکان ہے تو فوراً حج عمرہ سے بدل دیا۔ اور مکہ سے

کربلا کی جانب روانہ ہو گئے ۲ محرم کو حسینؑ کربلا وارد ہوئے۔ ساتویں محرم سے پانی بند ہو گیا۔ اب پیاس کا عجیب عالم ہے ہر عقلمند شخص اس بات کو تسلیم کریگا پیاس کا اثر حسب سن و سال عارض ہوتا ہے۔ حسینؑ کے لشکر میں سب سے چھوٹے علی اصغر تھے۔ اور مخدرات میں سب سے کمسن سکینہ تھی۔ علی اصغر کی پیاس کا یہ عالم تھا کہ حسینؑ جب لشکر اعدا پر اپنے بچے کی پیاس کا اظہار فرما رہے تھے۔ اور جیسے ہی ششماہے نے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر سوکھی زبان پھیرنا شروع کی۔ تمام اہل دل اور صاحب اولاد رونے لگے۔ اور ادھر جناب سکینہ کی پیاس کا یہ عالم تھا کہ چیخ کر کہتی تھی العطش العطش ہائے پیاس ہائے پیاس ارباب عزا میں جناب سکینہ کی پیاس کو کیا بیان کروں۔ یقیناً کربلا کے بہتر شہداء پیاسے تھے۔ اور پیاس کی تکالیف برداشت کیں۔ مگر تمام شہداء کی پیاس وقت عصر تک ختم ہو گئی۔ مگر تاریخ نے یہ نہ بتایا کہ سکینہ کب تک پیاسی رہی ہیں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ سکینہ کب تک پیاسی رہی اور پیاس کی شدت کا کیا عالم رہا۔ کربلا سے ۱۲ محرم کا لٹا ہوا قافلہ ۱۱ محرم کو روانہ ہوا چلتے چلتے مقام موصل پر پہنچا۔ جہاں شمر اپنے شہر والوں کو پانی پلا رہا تھا۔ جناب سکینہ نے دیکھا کہ شمر پانی پلا رہا ہے۔ سکینہ تڑپ گئیں اور جناب زینبؑ سے کہتی ہیں پھوپھی پیاس

مارے ڈالتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی شمرؔ سے پانی مانگوں۔ پھوپھی اجازت دے دو پھر بھی جناب زینبؑ خاموش رہیں۔ پھوپھی کی خاموشی سے سکینہ سمجھی کہ اجازت مل گئی بس ایک ہاتھ میں خالی کوزہ لے کر شمرؔ کے پیچھے پیچھے دوڑتی رہیں اور پانی مانگتی رہیں لیکن شمر کچھ متوجہ نہ ہوا۔ اور پیاسی سکینہ، یتیم سکینہ کمسن سکینہ اُس ریگستان اور جلتی ہوئی زمین پر کہاں تک دوڑتی آخر کار جب تھک گئیں تو بیٹھ گئیں اور سمجھیں کہ جب شمرؔ اپنے لشکر والوں کو پانی پلا لے گا تب شاید مجھے پانی دے گا۔ آخر کار جب شمرؔ پانی پلا چکا تو جناب سکینہ کوزہ لے کر پھر شمرؔ کے پاس گئیں اور کہا شمرؔ دو گھونٹ پانی دے دے۔ بس اولاد دالوں! شمر نے کیا کیا کہ ایک قدم آگے بڑھایا۔ اور مشک کا دہانہ کھول کر سارا پانی زمین پر گرا دیا۔ سکینہ پانی میں تڑپنے لگیں۔ پھر کربلا کی طرف کا رُخ کیا اور کہا اے میرے چچا عباسؑ آپ کے بعد مجھے کوئی پانی پلانے والا نہیں۔

مقام حمص سے یہ قافلہ کوفہ ہوتا ہوا شام کے دربار میں پہنچا۔ یزید تخت نشین تھا۔ اہلحرم اسیر کھڑے ہوئے تھے۔ یزید کی نظر جناب سکینہ پر پڑی۔ جناب سکینہ ایک ہاتھ چہرے پر رکھے ہوئے تھیں ایک ہاتھ گلے پر رکھے تھیں۔ اور پیر کو کبھی زمین سے اُٹھا

لیتی تھیں اور پھر رکھ دیتی تھیں۔ یزید نے اس کا سبب پوچھا تو جناب سکینہ نے فرمایا کہ اے یزید میں اپنا ایک ہاتھ چہرے پر اس لئے رکھے ہوں کہ میری ماں بہنوں کے سر کے بال اتنے بڑے ہیں کہ وہ اپنا پردہ اپنے بالوں سے کئے ہوئے ہیں۔ میرے سر کے بال چھوٹے ہیں اس لیے ہاتھوں سے پردہ کر رہی ہوں۔ اور دوسرا ہاتھ گلے پر اس لئے ہے کہ شمر نے ایک رسن میں بارہ گلے باندھوئے ہیں چونکہ میں سب سے کمسن ہوں اس لئے رسن کا زور میرے گلے پر زیادہ پڑتا ہے اور ناقابل برداشت تکالیف کے سبب اپنا ایک ہاتھ گلے پر رکھ لیتی ہوں۔

پھر اس کے بعد یزید نے کہا سکینہ میں نے سُنا ہے کہ تمہارے بابا تم کو بہت چاہتے تھے۔ کہا ہاں میرے بابا مجھ کو بہت چاہتے تھے۔ یزید نے کہا مجھے تو اُس وقت یقین ہوگا کہ جب تیرے بابا کا سر خود بخود تیری آغوش میں آجائے۔ بس ار باب عزا ایک مرتبہ سکینہ نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیلائے اور رو کر کہا بابا ارے اب تو میرے پاس چلے آیئے ہماری محبت کا امتحان ہو رہا ہے۔ بابا نہ آیئے گا تو محبت رسوا ہو جائے گی۔ ہاں سر حسینؑ بلند ہوا اور سکینہ کی آغوش میں آگیا۔ سکینہ نے منھ پر منھ رکھ دیا۔ اور فریاد شروع کی۔ بابا آپ کی شہادت کے بعد کانوں سے گوشوارے چھینے گئے طمانچے مارے گئے۔

یہی سکینہ اہل حرم کے ساتھ قید خانۂ شام میں قید کر دی جاتی ہے جہاں دن کی سخت دھوپ اور رات کی اوس۔ جناب سکینہ کا قید خانہ میں عالم یہ تھا کہ جب شام ہوتی تو قید خانہ کے دروازے پر آتیں اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی پھوپھی اماں ہر ہر طائرا اپنے اپنے آشیانوں میں جا رہے ہیں۔ اے پھوپھی اماں ہم وطن کب چلیں گے۔

ہائے افسوس قید سے رہائی کے بعد سب کو تو وطن جانا نصیب ہوا مگر سکینہ کی یہ تمنا دل ہی دل میں گھٹ کر رہ گئی۔

آٹھویں مجلس

جناب مولانا سید صغیر حیدر صاحب قبلہ گوپال پوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذین یقولون ربنا ھبلنا من ازواجنا وذریتنا
قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما

ارشاد رب العزت ہو رہا ہے، وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں۔ پالنے والے ہمیں ایسے اہل و عیال عطا فرما جو ہمارے لئے خنکی چشم ہوں اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

یہ دعا ہے مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی، جسے قرآن کریم نے من وعن اپنے سینے پر نقش کر لیا تاکہ دعا کرنے والے طریق دعا سے واقف ہو جائیں۔ اور حسن طلب کا انداز سمجھ لیں۔

مولا فرماتے ہیں۔ "خدا کی قسم میں نے اپنے پروردگار سے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے حسین و جمیل صورت شریکہ حیات عطا کرے یا

یوسف جمال فرزند بخشے، بلکہ میں نے ہمیشہ پالنے والے سے یہی التجا کی میرے کریم! مجھے بیوی بچے عطا کر جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور مجھے متقیوں کا امام قرار دے۔

واضح ہوا کہ ہمارے مولائے کائنات محض متقیوں اور پرہیزگاروں کی مختصر جماعت کی امامت پر قانع ہیں اس کی حرص و ہوس نہیں کہ میری امامت کے تحت جم غفیر ہو اور تعداد کثیر ہو۔ آپ عوام کے امام بننے کے آرزومند نہیں بلکہ نیک اعمال اور نیک کردار بندوں کے پیشوا ہونے کو اپنا فخر اور امتیاز سمجھتے ہیں۔

جیسے سلمان فارسی، مقداد، عمار یاسر، ہیثم تمار، ابوذر غفاری، ابو ایوب انصاری، جابر بن عبداللہ، مالک اشتر، محمد بن ابی بکر، یہ وہ مومنین تھے جو امام کے پسینے پر اپنا خون بہانے والے اور امام کی خاک پا کو سرمہ چشم بنانے والے تھے۔ انھیں میں ایک طرماح بن عدی کلبی تھے جو بہت فصیح و بلیغ اور بڑے ہی شجاع و بہادر تھے اور بہت ہی حاضر جواب۔ انسانی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی۔ بزم وہ کاٹ چھانٹ کرتے تھے کہ رزم میں کیا کوئی تلوار چلتی ہو گی۔ معاویہ کے پاس جب شام میں یہ امیر المومنین کے نامہ بر بن کر پہنچے تو معاویہ کہنے لگا "کہد ینا علیؑ سے اگر جو لشکر لے کر آؤں گا وہ مثل ستاروں کے ہو گا جس کے لیے زمین کی وسعت

ناکافی ہو گی" یہ مثل رائی کے دانوں کی طرح ہو گا۔ جو تا حدنگاہ میدان میں بکھرا ہو گا۔ صفین کی شکست کے دھوکے میں نہ رہیں۔ اب کی فتح ہمارے ہاتھ ہو گی"

طرماح نے جو سنا ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ درباریوں نے کہا یہ ہنسنے کا کون سا محل ہے۔ طرماح نے کہا اے معاویہ! میں تیرا یہ پیغام اپنے مولا تک پہنچا دوں گا مگر جواب مجھ سے سن لے یاد رکھ اگر تیرے لشکر کی تعداد ستاروں کی طرح ہے تو خدا کی قسم میرے مولائے کائنات وہ آفتاب درخشاں ہیں کہ جب وہ تیرے لشکر کے سامنے طلوع ہوں گے تو تیرا تمام لشکر مثل ستاروں کے غائب ہو جائے گا اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے تو میرے مولا کے لشکر میں ایک بہت بڑا مرغ بھی ہے جس کا نام مالک اشتر ہے وہ تیرے رائی کے ہر دانے کو اپنی منقار سے چن کر اپنے پوٹے میں بھرے گا اور میدان صاف کر دے گا۔

اس کلام سے معاویہ پر گویا موت طاری ہو گئی۔ سکتے میں آ گیا، پورے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ جب طرماح دربار معاویہ سے نکل کر کچھ دور جا چکے تو معاویہ اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا "اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کر دوں اور تم سے کسی ایک کو دیکھ کر یہ چاہوں کہ

جس طرح اس اعرابی نے اپنے آقا کی مدح سرائی اور پیغام رسانی کی ہے اس کا عشرِ عشیر بھی وہ میری طرف سے انجام دے تو تم میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہوگا۔" خدا کی قسم اس اعرابی نے تو دنیا مجھ پر تنگ کر دی اور زندگی تلخ کر دی۔"

معاویہ کی باتیں سُن کر عمر عاص (وزیر معاویہ) سے نہ رہا گیا فوراً کھڑے ہو کر جواب دیا کہ اے معاویہ! اگر تجھے بھی سرکارِ رسالت سے وہی قرابت ہوتی جو علی ابن ابی طالب کو ہے یا تو بھی اسی طرح راہ حق پر ہوتا جس طرح علی راہ حق پر ہیں تو بخدا ہم لوگ اس اعرابی سے کہیں زیادہ اور بخوبی تیری پیغام رسانی کرتے اور تیری خدمت انجام دیتے۔

معاویہ جھلا گیا۔ غصہ کے عالم میں کہنے لگا۔ "خدا تیرا منہ توڑے اور تیری پسلیاں چور کرے خدا کی قسم تیری یہ باتیں تو اس اعرابی کے کلام سے زیادہ سخت ہیں صلوٰۃ۔ مجھے اس وقت اصحاب امیر المومنین کا بیان مقصود نہیں ضمناً یہ بات آگئی جس سے واضح ہو گیا کہ ہمارے مولائے کائنات ایسے ہی نیک و پرہیزگار، حق گو اور نڈر بندوں کے امام ہونے کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولائے کائنات علی ابن ابی طالب پر کچھ ایسے افضالِ الٰہی تھے جو مخصوص آپ ہی سے مختص تھے مثلاً پیدا ہونے کو گھر

ملا تو خدا کا۔ رہنے کو گھر ملا تو نبوت کا، علی نے کبھی اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی۔ کبھی گھر علیحدہ نہیں بنایا۔ اس لئے کہ نبیؐ سے متصل اور بلا فصل رہنا چاہتے تھے۔ کاہے کو دھوکا ہو کہ نبوت کسی اور گھر میں ہے اور امامت کسی اور گھر میں صلوٰۃ۔

ایک بات یہاں عرض کر دوں کہ علی ابن ابی طالب کا کعبہ میں پیدا ہونا بجز تقابل غیر آپ کے لئے کوئی فضیلت نہ تھی اس لئے کہ یہ تو خود ہی سراپا فضائل تھے۔ بلکہ یہ آپ کے ماں باپ کی عظمت و منزلت کا اعلان تھا کہ یہ کتنے طیب و طاہر ہیں کہ ان کا فرزند کعبہ میں پیدا ہوا۔ جس ماں کا بچہ عین کعبہ میں پیدا ہو اس کی طہارت جناب مریمؑ سے سوا ہو گی، طہارت کی سند مل چکی تھی جناب مریمؑ کو پھر بھی بیت المقدس میں جناب عیسیٰؑ کی ولادت نہ ہو سکی اور یہ علی ابن ابی طالب کی مادر گرامی کی پاکیزگی تھی کہ آپ کا فرزند کعبہ میں پیدا ہوا اور اس کے استقبال کے لئے نیا در بنا۔ اس لئے کہ پرانے در کو کافروں کے قدم روند چکے تھے۔ اس در سے آنا آپ کی منزلت و عظمت کے شایان شان نہ تھا۔

علی سا طیب و طاہر اور راہ عام سے آئے
ضرورت ہے کہ اس کی منزلت میں اک نیا در ہو

اب اس دعائی روشنی میں جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو پاتے ہیں کہ

ہمارے مولا کو گود ملی تو فاطمہ بنت اسد ایسی ماں کی۔ کون فاطمہ بنت اسد، نسل ہاشمی کی مادر اول۔ رسول اسلام کی مربیہ۔ جن کا زچہ خانہ خدا کا گھر بنا۔ جنھیں رسول نے اپنی ماں کہا۔

باپ وہ ملا جو سید البطحا۔ رئیس قریش، مربیٔ رسالت و امامت، کل ایمان کا پدر ایمان کا ناصر اسلام کا محافظ، اللہ اکبر جو کل ایمان کا باپ ہو اس کے ایمان میں مسلمانوں کو شک ڈہائی ہے ایمان کی صلوٰۃ

بیوی وہ ملی جو پارۂ رسالت۔ شریکۂ کار رسالت، نساء مباہلہ۔ صاحب آیۂ تطہیر۔ مصداق سورۂ تنویر۔ سیدۃ النساء عالمین، مادر آئمۂ معصومین محمدؐ صورت، محمدؐ سیرت، مصدر عفت و عصمت، مرکز جود و سخاوت، حامل اعجاز و کرامت، مخدومۂ حوران جنت، مادر سرداران جنت، صلوٰۃ۔

بیٹے وہ جو ابنائے مباہلہ۔ خیر الوریٰ کے نواسے، عرش الٰہی کے گوشوارے۔ خیر البشر کے لخت جگر، صورت و سیرت میں مثل پیمبر، علم و حکمت میں مثل حیدرؑ۔ عفت و عصمت میں فرزند بتولؑ۔ مخزن صدق و صفا، سراپائے تسلیم و رضا، دریائے جود و سخا۔ معدن علم و حیا، آسمان رشد و ہدایت، آفتاب امامت و ولایت، گوہر صداقت، رہبر شہادت سید الصابرین، شہنشاہِ مظلومین۔

بیٹیاں وہ جو عارفۂ نبوت و امامت اسلام کی شیدا، اسلام پر قربان، بلکہ یوں کہوں کہ اسلام ان کی قربانیوں کا مرہون منت جنہوں نے عالم غربت و مسافرت اور آلام و مصائب کے ہجوم میں اسلام کی لاج رکھ لی، وہ کارہائے نمایاں کئے کہ آج نبوت و امامت کے دوش بدوش ان کے اذکار و کردار بیان ہوتے ہیں۔ بلکہ میرا تو عقیدہ ہے کہ ہماری شاہزادیوں کی اسیری نے شہادت نامہ میں چار چاند لگا دئے۔ واقعات کربلا اور مقصد حسینی کی ساری کامیابی اور ساری شہرت و اشاعت مرہون منت ہے۔ ہماری شہزادیوں کے استقامت کی۔ یزیدیت کی شکست اور حسینیت کی فتح نتیجہ ہے خصوصاً ہماری شاہزادی جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کے صحیح اقدامات کا۔ اگر ذرہ برابر بھی معاذ اللہ ہماری شاہزادی کے پائے ثبات میں لغزش ہو جاتی تو امام حسین کی ساری محنت برباد ہو کے رہ جاتی۔

کربلا میں یوم عاشورہ امام حسین نے اپنا سجا سجایا گلشن چند گھنٹوں میں اشاعت حق اور حمایت دین میں لٹا دیا۔ خود مٹ گئے مگر اسلام کو مٹنے نہ دیا۔ میدان کربلا میں بہتر چراغ بجھ گئے۔ یہ کربلا کی تاریخ کا پہلا رخ ہے، اور یہ وہ وقت ہے جب لشکر حسینی کا

ہر مجاہد بجز عابد بیمار جام شہادت نوش کر چکا ہے۔ حسین مظلوم اپنے شیر خوار مجاہد کو بھی بارگاہ الٰہی میں پیش کر چکے ہیں۔ اور ہنگام عصر اپنی جان عزیز بھی قربان کر کے کربلا کی آدھی کتاب مکمل کر دی۔ اور ٹھیک اسی وقت سے ہماری شاہزادی جناب زینبؑ کتاب کے دوسرے حصہ کی تکمیل میں مصروف ہو گئیں۔ بس اب ہماری شاہزادی کا مشن شروع ہو چکا تھا۔

امام حسینؑ نے بڑی بہادری سے قربانیاں پیش کیں، حضرت عباسؑ نے بڑے وقار سے شانے قلم کرائے، سر پر گرز کھایا شبیہ پیمبر علی اکبر نے بڑی پر جگری سے سینے پر نیزہ روکا۔ قاسم نے بڑی تمکنت سے اپنا پھول سا جسم گھوڑوں کی ٹاپوں کے حوالے کر دیا۔ عون و محمدؑ نے بڑی دلیری سے تلواریں اٹھائیں، اور علی اصغر نے بڑی جرأت سے حرملہ کا تیر اپنے ننھے گلے پہ لے لیا اب کربلا کی تاریخ کا پہلا باب قطعی مکمل ہو چکا تھا اب اس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہ تھی، اگر اب بھی کوئی کمی ہوتی تو امام حسینؑ اپنی شہادت سے پہلے اسے بھی پوری کر دیتے۔ مردوں میں ایک سید سجاد رہ گئے تھے اگر امام انھیں بھی قربان کر دیتے تو نسل امامت منقطع ہو جاتی لہذا اب نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی کمی باقی رہ گئی تھی۔ کربلا کی تاریخ کا پہلا باب بالکل مکمل ہو چکا۔

اب دوسرے باب کا آغاز ہو رہا تھا۔ جس کی تکمیل جناب زینب کر رہی تھیں۔ آپ نے پہلا صفحہ کھولا اس میں لکھا تھا خیموں میں آگ اور اہلبیت کی بے سروسامانی، خیموں کی تاراجی شروع ہوئی۔ اشقیا دررانہ داخل ہوئے۔ پہلے مال و اسباب لوٹا۔ ناموس رسول کے سروں سے چادریں چھینیں۔ بچوں کے کانوں سے گوشوارے کھینچے، بیمار امام کا بستر کھینچا۔ سکینہ نے رخساروں پر طمانچے کھائے، خیمے نذر آتش ہو گئے۔ مخدرات عصمت و طہارت ایک خیمے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے خیمے میں پناہ لے رہی تھیں۔ سید سجاد غش میں تھے۔ ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے بچے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کوئی مقتل کی طرف جا رہا تھا کوئی نجف کا راستہ پوچھ رہا تھا۔ کسی کے کرتے میں آگ لگی تھی کسی کا دامن جل رہا تھا ایک بلا خیز ہنگامہ تھا جو لاتعداد مظالم کے ساتھ جاری تھا یا ظلم و ستم کی بے پناہ چکی تھی جو بلا امتیاز چھوٹے بڑے سب کو پاٹوں میں ڈال کر پیس رہی تھی۔

لیکن اللہ رے ہماری شاہزادی کا صبر آزما دل اللہ رے آپ کا وجود آپ کے قدموں میں ذرا لغزش نہ تھی۔ اہل حرم اگرچہ مضطرب تھے۔ پریشان تھے۔ وارثوں کے غم میں نڈھال تھے۔ لیکن پھر بھی مطمئن تھے کہ ابھی علی کی بہادر بیٹی، عباس کی دلیر بہن ہماری قیادت کر رہی ہے۔

ذرا تصور فرمائیے۔ جناب زینب نے بہ یک وقت کتنے فرائض انجام دئے۔ سب سے پہلے بیمار بیٹے کو غش سے بیدار کیا۔ بیٹا سجادؑ! اٹھو ہم لاوارث ہو گئے دشمنوں نے خیموں میں آگ لگا دی۔ تمام خیمے جل چکے تم امام وقت ہو کیا حکم ہے۔ یہ پہلا مسئلہ تھا جو بیمار امام سے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان پوچھا گیا۔ بیمار امام نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں عرض کی پھوپھی اماں اب خیمے میں ٹھہرنے کا وقت نہیں ہے۔ باہر نکلئے۔ جناب زینب نے کہا بیٹا مسئلہ سے واقف ہوں لیکن کسی کے سر پہ چادر نہیں۔ امام نے کہا پھوپھی اماں بالوں سے منہ چھپائیے اور ہلاکت سے جان بچائیے۔ یہ آتش زدگی در بدری کا پیش خیمہ ہے۔

نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری شاہزادی نے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے بیمار بھتیجے کو کیسے نکالا۔ حضرت عباسؑ کا دوش پر مشکیزہ لئے ہوئے تیروں کی انیوں کو ربلتے ہوئے فرات سے نکلنا آسان نہ تھا۔ تو حضرت زینبؑ کا بیمار بھتیجے کو ہاتھوں پر لئے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نکلنا اور بھی مشکل تھا وہ حضرت عباسؑ کی بہادری تھی اور یہ حضرت زینبؑ کی شجاعت تھی۔

جناب زینب کے ساتھ تمام بی بیاں جلتے ہوئے خیموں سے نکلیں

مگر منہ پر طمانچے مارتی ہوئی۔ واالحمد اہ وا علیاہ کے نعرے لگاتی ہوئی۔ خیموں کی تاراجگی و غارتگری کے بعد شب گذاری کے لئے اہلبیت کو ایک جلی ہوئی قنات ملی۔ بے سر و سامان عورتیں سہمے ہوئے بچے کربلا کی گرم خاک پر بیٹھ گئے، سب بھوکے تھے، پیاسے تھے، وارثوں کے غم میں انڈھال تھے، دن بھر کے واقعات نظروں میں گھوم رہے تھے۔ گلشن محمدی کی ہر شاخ کٹ چکی تھی، پھول مرجھا چکے تھے، کلیاں ٹوٹ چکی تھیں آفتاب امامت ڈوب چکا تھا بہتر داغ لئے ہوئے رسول اسلام کا خاندان مرقع غم بنا ہوا زیر آسمان بیٹھا تھا۔ رونا چاہتے تھے مگر اشقیا انھیں رونے کی اجازت نہیں دیتے تھے رونے والوں کی پشت پر نیزے چبھوتے تھے۔

ہماری شاہزادی اپنے فرائض انجام دے رہی تھیں رات بھر جلی ہوئی قنات کے گرد پہرہ دیتی رہیں، رات کے سناٹے میں کبھی ماں کے رونے کی آواز سنی، کبھی نانا کے گریہ کی صدا سنی، کبھی جنوں کا شور ماتم سنا، لیکن ضبط کا دامن نہ چھوٹا۔ اسی اثنا میں بھائی کی وصیت یاد آئی بہن میری سکینہ سے ہشیار رہنا۔ جناب زینب نے دیکھا جو بچے خاک گرم پر غش میں پڑے ہیں اس میں سکینہ نہیں ہے تلاش میں چلیں، نشیب میں پہنچیں، دیکھا سکینہ باپ کے تن بے سر سے

پیٹتی بین کر رہی ہے۔ بابا آپ یہاں ہیں وہاں ظالموں نے آگ لگا دی
پھوپھیوں کے سروں سے چادریں چھینی ہیں۔ میرے کان زخمی کر دیے،
میرے بندے اُتار لیے۔ بابا! دیکھیے میرے کانوں سے خون بہہ
رہا ہے۔ زینب کا دل تڑپا مگر سنبھلیں۔ سکینہ کو تسلی دے کر باپ
کے لاشے سے جُدا کیا۔ جلی ہوئی قنات میں لائیں اور پھر اپنے فرائض
میں مصروف ہو گئیں۔

اب تفصیلاً مصائب بیان کرنے کی طاقت نہیں اشارۃً آگے
بڑھنا چاہتا ہوں سنتے ہیں کہ اسی رات میں بیٹی کی تسلی کو علی مرتضیٰ
بھی آئے تھے۔ عجب نہیں بیٹی نے باپ کے گلے میں باہیں ڈال دی
ہوں، بابا اب آپ کیوں آئے میرا ماں جایا شہید ہو گیا۔

رات تمام ہوئی گیارہویں محرم کی صبح آئی۔ عمر سعد کے حکم سے
ناموس رسول قیدی بنائے گئے۔ زینب و ام کلثوم کے شانوں میں رسن
باندھی گئی۔ عباسؑ کی لاش تڑپی۔ سید سجادؑ کو پابہ زنجیر کیا گیا اور پھر
یہ اسیروں کا قافلہ بہ حکم عمر سعد کوفہ کے لیے روانہ ہوا۔ ظالم اس
غم رسیدہ قافلہ کو لے کر اس راستے سے گذرے۔ جہاں ۷۲ شہیدوں کے
لاشے پڑے تھے اس نشیب سے گذرے جہاں رسول اسلام کا نورِ نظر
اس عالم میں پڑا تھا کہ جسم پر سر نہیں تن پر کپڑا نہیں ہاتھ میں انگشتری

نہیں اور وہ انگلی نہیں جس میں انگشتری پہنتے ہیں۔ اب کوئی بیان کرے کہ اس منظر کو دیکھ کر اسیر دل پر کیا گذری اور خصوصاً ہماری شاہزادی ثانی زہرا کے دل کا کیا عالم ہوا!! مڑ کر سید سجاد کو دیکھا تو چہرے کا رنگ زرد ہے بدن میں رعشہ ہے۔ آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ جناب زینبؑ نے فوراً بھتیجے کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا بیٹا! بیٹا! یہ کیا عالم ہو رہا ہے؟ صبر کرو بیٹا صبر کرو! کیا اس لئے رو رہے ہو کہ باپ کو دفن نہ کر سکے۔ اس لئے روتے ہو کہ باپ کو بے گور و کفن چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ بیٹا نہ رو خدا دفن کا انتظام کر دے گا۔

پھوپھی کے تسکین آمیز کلمات سے امام وقت کا دل ٹھہرا سید سجاد خاموش ہو گئے مگر زینب اب بے چین ہو گئیں رُخ کیا مدینے کی طرف اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا جداہ! اے نانا آپ دیکھ رہے ہیں کہ زینب پر کون سا وقت پڑا ہے اے مدینے میں سونے والے نانا ذرا دیکھیے کہ آپ کی ذریت پر کیا گذر رہی ہے۔ اے نانا جب آپ نے رحلت کی تو فرشتوں نے نماز پڑھی اور یہ آپ کا نواسہ حسین خاک خون میں زمین گرم پر پڑا ہے۔ نانا! بتائیے زینب کیا کرے۔

قافلہ کربلا سے کوفہ پہنچا۔ زینب وام کلثوم کو بابا کا زمانہ یاد آیا دل تڑپا عجب نہیں شاہزادی نے کہا ہو بابا ہم آپ کے شہر میں آئے

ہیں اور آپ نظر نہیں آتے بابا آپ کا حسین بھی آیا ہے مگر اس طرح کہ سر نوکِ نیزہ پر ہے اور جسم کربلا کی خاک پر۔

ہماری شاہزادی نے تماشائیوں کا ہجوم دیکھا موقع غنیمت جانا اپنے مقصد کی اشاعت کے لئے حیدر کرار کی بیٹی نے علی کے لہجے میں آواز دی خاموش ہو جاؤ۔ مجمع ساکت ہو گیا۔ پورے ماحول پر خاموشی طاری ہو گئی۔ اب شاہزادی نے باپ کے لہجے میں تقریر شروع کی۔ تقریر کا ہر لفظ سننے والوں کے کلیجے چھلنی کر رہا تھا آہنی دلوں کو پر مار رہا تھا چند لمحے میں لوگ دیواروں سے سر ٹکرانے لگے داڑھیوں کے بال نوچنے لگے دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگے۔ عورتوں نے اپنے سروں سے چادریں پھینک دیں۔ بے ہوش ہو ہو کر کوٹھوں سے گر پڑیں۔ جناب زینب تھوڑی دیر خاموش رہیں پھر فرمایا۔ مکّارو! تم روتے ہو تو آخر ہمیں قتل کس نے کیا! خدا تمہارے آنسوؤں کو کبھی خشک نہ کرے۔ سید سجاد نے عرض کی پھوپھی اماں خاموش ہو جایئے بے شک آپ عالمۂ غیر معلمہ ہیں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ آپ نامحرموں کے مجمع میں بول رہی ہیں ———— قافلہ کوفہ سے شام میں یزید کے دربار میں پہونچا اور پھر سال بھر کی قید مشقت کے بعد کربلا ہوتا ہوا مدینے پہنچا۔ مدینے کے در و دیوار نظر آئے

تو ام کلثوم کے مرثیے نے نانا رسول کو قبر میں تڑپا دیا۔ اماں زہرا تربت سے نکل پڑیں۔ عجب نہیں علیؑ کی طرح فاطمہ زہرا نے ام کلثوم کو گلے لگا کر داد صبر دی ہو بیٹی! ہم تیری مصیبتوں کے صدقے تو نے ہمارے دودھ کی لاج رکھ لی۔ لعنتہ اللہ علی القوم الظالمین۔

نویں مجلس

ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (صدق)

قرآن کریم میں مالک کائنات ارشاد فرما رہا ہے۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے، ہر وہ چیز جس سے انسان کو کسی قسم کا بھی فائدہ ہو وہ نعمت ہے کائنات کا ہر ذرہ چونکہ انسان کی پرورش میں لگا ہوا ہے۔ لہذا نعمت ہے کس کی طاقت ہے کہ مخلوقات الٰہی کا شمار کر سکے۔

شمار کرنے والے اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے اور نہ کوشش کرنے والے اس کے حق کو ادا کر سکتے ہیں۔ کیوں کر شمار ہو سکتی ہیں خدا کی نعمتیں جب کہ ایک ایک نعمت کے اندر ہزار ہزار نعمتیں مخفی ہیں۔ ہم جس کو ایک نعمت سمجھتے ہیں۔ وہ ایک نہیں بلکہ بے شمار

نعمتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ چونکہ ہم حقیقت سے واقف نہیں لہذا در پردہ نعمتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

ہر نعمت پر منعم کا شکر کرنا بھی لازم ہے لیکن جس طرح نعمتیں شمار میں نہیں آسکتیں اسی طرح ان نعمتوں کا شکر بھی ہم سے ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ اول تو نعمتوں کی حقیقت ہماری سمجھ سے باہر ہے پھر اس کے شکریہ کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ جب نعمت کو پوری طرح سمجھ نہ لیا جائے حق شکر ادا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ہر وقت پانی پیتے ہیں۔ لیکن اس کا مزا نہیں بیان کر سکتے زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتے ہیں میٹھا ہے ٹھنڈا ہے آگے ہماری قوت گویائی کا ناطقہ بند ہے۔ ایک شخص نے امام رضاؑ سے کہا کہ پانی کا ذائقہ کیسا ہے فرمایا وہی ذائقہ ہے جو زندگی کا ہے اس نے پوچھا روٹی کا ذائقہ کیسا ہے فرمایا وہی ہے جو عیش کا ہے کس کی طاقت ہے کہ زندگی اور عیش کا کا ذائقہ بیان کر سکے انسان کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو نعمات الٰہی کا شکریہ ادا کر سکے۔

خدا نے انسان کو دو قسم کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک دنیوی نعمتیں دوسری دینی نعمتیں جو مرنے کے بعد انسان کو ملیں گی۔ دنیا کی نعمات انسان کے بدن کی منفعت و تفریح کے لئے ہیں اور آخرت کی

روح انسان کی لذت اندوزی کے لئے ہیں۔ لیکن دینی اور دنیوی نعمتوں کا مقصد معرفت نفس انسانی پر موقوف ہے۔ لہذا ہم کو ماننا پڑے گا کہ نفس خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس نفس سے نہ ہم نعمات کی حقیقتوں کو بقدر طاقت بشری سمجھتے ہیں بلکہ خدا کی معرفت بھی اسی نفس کی معرفت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ حضرت علی فرماتے ہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس نے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ رب کی معرفت موقوف ہے آثار قدرت میں غور و فکر کرنے پر اور یہ غور و فکر کرنا بدن سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ نفس سے متعلق ہے۔ جس قدر نفس انسانی میں قوت بڑھتی جائے گی اور اس میں جلا اور صفائی زیادہ ہوتی رہے گی اسی قدر وہ معرفت کے مدارج کو زیادہ آسانی سے طے کر سکے گا۔

خداوند عالم نے نفس انسانی میں کتنی طاقتیں ودیعت فرمائی ہیں اس کا سمجھنا بہت دشوار ہے۔ جسم کی قوتوں کو اس کی قوتوں سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ لیکن یہ تمام قوتیں علم کے تحت کام کرتی ہیں۔ بے علم آدمی خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ نفس انسانی کی دو متضاد حالتیں ہیں یہ فجور کی طرف بھی مائل ہے اور تقویٰ کی طرف بھی۔ پس جس نے اس کا تزکیہ کر لیا وہ فلاح پا گیا اور جس نے گناہ کو اس سے دور نہ کیا وہ

خسارہ میں رہا۔ جب تک علم کا نور دل میں پیدا نہ ہوگا نفس سے تاریکی دور نہ ہوگی۔

خلاق عالم نے تین قسم کے نفس انسان کو دیے پہلی قسم نفس امارہ ہے اس کا کام یہ ہے کہ ہر وقت انسان کو برے کام کی رغبت دلاتا ہے۔ جب یہ زیادہ قوت پکڑ جاتا ہے تو عقل اس سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ پھر انسان نیکی کی طرف نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔ دوسری قسم نفس کی نفس لوامہ ہے۔ جو انسان کو برائی پر ملامت کرتا ہے اگر انسان نے اس نفس کو کمزور بنایا تو بدی کے ترک کی اس سے کیا امید کی جا سکتی ہے۔ تیسری قسم نفس کی نفس مطمئنہ ہے جب اس نفس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کا دل مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے کو خدا سے لگاتا ہے۔ اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا لیکن یہ حالت بڑی ریاضت سے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اطمینان قلب ذکر الٰہی سے ہوتا ہے۔ آئمہ علیہم السلام صاحب نفس مطمئنہ تھے کیونکہ شب و روز وہ یاد الٰہی میں رہتے تھے۔ اس نفس مطمئنہ کی بنا ان کا نفس اتنا قوی تھا کہ دنیا کی ہر شے ان کی تابع فرمان تھی کیا کہنا اس نفس کا جس کو خدا نے اپنا نفس بنا لیا۔

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ

یہ مرتبہ امت محمدی میں کسی کو نصیب ہوا ہی نہیں۔ کیا کہنا اس نفس کا
جس کو رسول نے اپنا نفس بنا لیا۔ امت محمدی میں یہ دولت کسی
کو نہیں ملی کیا کہنا اس نفس کا جو خدا کے گھر سے نکلا۔ کیا کہنا اس
نفس کا جو حوادث دہر میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ جس نے ہر مصیبت
کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس نے جو کی روٹی نمک کے پانی سے کھائی۔ اور
شکر خدا کیا۔ جس نے پیوند پر پیوند لباس میں لگائے اور کبھی لب
شکایت وا نہ کئے۔ جس نے دین اسلام کی خدمت کے لئے بار بار
اپنی جان جوکھوں میں ڈالی اور آن واحد کے لیے ہراس کو اپنے
پاس آنے نہ دیا۔ رسول کی بعثت کی غرض تزکیہ نفوس تھی۔ اویس
قرنی جیسا روشن ضمیر یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے کہ علی کے قدم
کی خاک میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔

اگر علیؑ کا نفس تزکیہ میں نفس رسول کی مانند نہ ہوتا تو یہ آیہ
مباہلہ میں انفسنا کا مصداق امیر المومنین علیہ السلام قرار نہ پاتے۔
ان کا تزکیہ نفس کچھ اس شان سے تھا کہ ان کی روحانی طاقت
کا اقرار کفار کو بھی تھا لیکن افسوس ہے کہ پہچانا تو کفار نے اور نہ پہچانا
تو مسلمانوں نے۔ آہ اس علی کو مسلمانوں نے چین سے نہ جینے دیا۔
گلے میں رسی کا پھندا ڈالا گیا۔ فاطمہ کے گھر میں آگ لگائی گئی۔

حسن مجتبیٰ کو زہر دیا گیا۔ اور وہ حسینؑ جو سب سے چھوٹے تھے۔ جن کا شمار کل بچوں میں تھا اور آج وہ اپنے خاندان کے بزرگ ہیں۔ ان پہ جو مصیبتیں پڑی اس کا ذکر کیسے کروں کس بے دردی سے شہید کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید کو اس خاندان سے قلبی عداوت تھی۔ اور ان کے روحانی اقتدار کو خاک میں ملانا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے مخدرات عصمت و طہارت کو سر برہنہ شہر بہ شہر پھرانے کا حکم دیا تاکہ اچھی طرح ذلیل ہوں۔ عورتوں کی ذلت چونکہ مردوں کی ذلت سے زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا اس نے دختران علی و فاطمہ کی تحقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ یزید اہل حرم کو گھٹا گھٹا کر مار دیتا۔ لیکن ہر طرف شورش کے آثار دیکھ کر اس نے بھی مناسب سمجھا کہ ان کو رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ جب بشیر ابن جذلم کی نگرانی میں یہ قافلہ روانہ ہوا تو پھر ایک ایک منزل پر ستم رسیدہ بی بیوں کو یزید کے مظالم بیان کرنے اور اس کی بدکرداری کی قلعی کھولنے کا موقعہ ملا۔ بہر حال جب اہل حرم کا قافلہ دمشق سے روانہ ہوا تو جناب زینب نے امام زین العابدین سے فرمایا کہ ہم کو کربلا کی راہ سے مدینے لے جایا جائے۔

قافلہ چلا اور وہ وقت بھی آیا کہ قافلہ کربلا کی سرزمین پر پہونچا

سواریاں رکیں بی بیاں اونٹوں سے اتریں نظروں میں پچھلا سماں پھر گیا۔ یہاں ہمارے خیام تھے یہاں دشمن کی فوج تھی یہاں شہیدوں کے لاشے رکھے تھے یہاں ہمارے جوان اور بوڑھے قتل ہو ہو کر گرے تھے۔ بس بیبیاں سر و سینہ پیٹتی ہوئی قبروں کے پاس پہنچیں ایک ایک بی بی قبروں کو لپٹائے فریاد کر رہی تھی۔ واحسینا، وا اکبراہ، واعباساہ کے نعرے فضائے کربلا میں گونج رہے تھے۔

یک بیک جناب زین العابدین کی نگاہ جناب جابر پر پڑی۔ امام نے فرمایا السلام علیک جابر ابن عبد اللہ۔ انھوں نے کہا تم کون ہو فرمایا یا جابر انا علی بن الحسین یہ سنتے ہی امام کے قدموں پر جابر گر گئے اور بوسہ دینا شروع کر دیا۔ امام نے کہا۔ اے جابر کس کس کو پرسہ دو گے آہ ہمارا گھر تیغوں سے کٹ گیا۔ جوانوں میں میرے سوا کوئی باقی نہیں ہے جابر ہم بڑی بڑی مصیبتیں جھیل کر آئے ہیں۔ بعد شہادت حسین نبی زادیاں اسیر ہوئیں ان کے سروں سے چادریں چھینی گئیں ان کے بازوؤں میں رسیاں باندھی گئیں ان کو برہنہ پشت اونٹوں پر سوار کر کے بے کجاوہ دیاری کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے جایا گیا میرے پیروں میں بیڑیاں تھیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں خاردار طوق۔ آہ! بیماری کی حالت میں ظالموں نے مجھے پا پیادہ

چلایا۔ جب زینبؑ نے جابر کو دیکھا تو سید سجادؑ سے فرمایا بیٹا علی و فاطمہ کی ستم رسیدہ بیٹی زینب کا جابر سے سلام کہو جابر دھاڑیں مار کر رونے لگے اور کہہ رہے تھے کہ کاش میں مر گیا ہوتا۔ اور یہ منظر نہ دیکھتا جابر نے پوچھا قمر بنی ہاشم ابوالفضل کی قبر کہاں ہے امام نے فرمایا اے جابر ان کے شانے لب نہر کاٹے گئے وہیں حسینؑ کے اس فدائی نے اپنا دم توڑ دیا۔ بابا جان ان کی لاش یہاں نہ لا سکے وہ وہیں دفن ہیں پھر امام نے فرمایا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ کہتے ہیں اے جابر وہ میرے بھائی علی اکبر کی قبر ہے جس کے سینے پر برچھی لگی ارے وہ شبیہ پیغمبر تھا وہ میری پھوپھی زینب کے دو لال ہیں۔ جابر سب شہیدوں کی قبر پر امام کے ساتھ گئے طواف کیا روئے ماتم کیا۔ آنسو بہایا امام کو پرسہ دیا۔ سر و سینہ کوٹ کوٹ کر کہنے لگے واحسیناہ۔ واحسیناہ۔ خدا لعنت کرے ان ظالموں پر جنہوں نے اپنے رسول کی اولاد کو اس بے دردی سے ذبح کیا۔ عزادارو تین روز تک اہل حرم کا قیام کربلا میں رہا۔

ماتم میں تین روز رہے شور و شین سے
روئے لپٹ لپٹ کے مزار حسین سے

زینبؑ نے بین کیا اے بھیا ہم اسیر ہو گئے۔ اے بھیا اب ہم مدینے

جا رہے ہیں اے بھیا مدینے والوں کو کیا منھ دکھائیں گے۔ بھیا ساتھ آپ کی امانت سکینہ بھی نہیں ہے۔ اے بھیا حسین آپ کی امانت پر آپ کے بعد وہ مظالم ہوئے کبھی کانوں سے گوشوارے چھینے گئے کبھی طمانچے لگائے بھیا سکینہ بھی آپ کے پاس پہنچ گئیں۔

ایک ایک بی بی اپنے اپنے بچوں کو، جوانوں کو، وارثوں کو یاد کر کے رو رہی تھیں بین کر رہی تھیں۔ کبھی ام لیلا علی اکبر کا ماتم کرتیں تھیں، کبھی ام فروہ قاسم کا ماتم کرتی تھیں۔ کبھی رباب اپنے بچے کو یاد کر کے بین کرتی تھیں اے بھیا علی اصغر اے بیٹا تجھے کس کی نظر کھا گئی اے بیٹا آؤ ہمارے ساتھ چلو اے بیٹا تمہاری بہن صغریٰ تمھیں گودیوں میں کھلانے کے لئے بے چین ہوگی اے بیٹا تمہارا انتظار مدینہ کے ہر فرد کو ہوگا۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

دسویں مجلس

فقیہہ اسلام جناب مولانا سید نذر حسن صاحب قبلہ صدر الافاضل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قل، ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ...

اے مرے حبیب کہدو، ان مسلمانوں سے کہ اگر تم لوگ اللہ کو دوست رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو، مری اتباع کرو، اللہ بھی تمکو دوست رکھے گا اور، سارے گناہ تمھارے بخشدے گا وہ اللہ تو بڑا بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔

ہماری شیعی دنیا آج اخلاقی صنعتوں سے مبرئی ہو رہی ہے دوسری لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسانی اصولوں سے بہت دور ہو گئی ہے اور دن بدن مزید دور ہوتی جارہی ہے۔ ہم نہ سلام و کلام پر عامل ہیں اور نہ معاملات کے اصولوں پر، نہ ہم میں معاہدات کی پابندی ہے اور نہ وفائے عہد کی کوئی ذمہ داری، معاشیات میں پست ترین

منزلوں پر ہم جا گرے ہیں، معاشرتی مراحلے ہم سے نیستی ہو چکے ہیں حقوق خلائق کو تو جانتے ہی نہیں۔ نہ بزرگوں کی عظمتیں دل میں ہیں اور نہ خوردوں کے ساتھ شفقتیں، حقوق والدین سے آنکھیں بند ہیں، زن و شو میں کیسے تعلقات ہونے چاہئیں ہم اس سے کوسوں دور ہیں، صلہ رحم کیا چیز ہے اس طرف تو ہماری کوئی توجہ ہی نہیں ہوتی، محلہ اور پڑوس کے حقوق کیا ہیں بھلا یہ کہاں، اہل بستی و برادری کے ساتھ سلوک کا تو کوئی احساس ہی نہیں۔۔۔ مختصر یہ کہ ایک جانور ہیں بصورت انسان، جو صرف یہ جانتا ہے کہ دنیا میں خوب کماؤ خوب کھاؤ، عیش و آرام کرو اور جانوروں کی طرح کچھ اپنی ہی جیسی بے حس، بے شعور اولادیں چھوڑ کر مر جاؤ۔ بس، — اور دعوے ہمارے یہ ہیں کہ ہم خدا اور اس کے رسول کی محبت اگر بہتر نہیں تو کم تر ہی سہی مگر رکھتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محبت ہم نے سمجھی ہے کیا؟ صرف یہ کہ ہم لا الٰہ الا اللہ کہتے اور زبانی صرف دعوے کرتے ہیں یا ہم میں محبت کی کوئی نشانی بھی ہے؟ آپ صلوٰۃ پڑھیں۔

ملاحظہ فرمائیں، محبت کا میدان بڑا ہی جانگسل تو ضرور ہے مگر اسی محبت سے سارے اعمال ظہور میں آتے ہیں، ہاں دیکھنا ہمیں

یہ ضروری ہے کہ یہ دل محبت کا گرویدہ ہوتا ہے کیسے ؟ یعنی اس میں محبت کسی چیز سے کب پیدا ہوتی ہے ؟ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ ہم اپنی زندگی جانورانہ نہ رکھیں، بلکہ یہ سوچیں کہ انسان ہونے کے سبب ہم پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں، ہم کسی بھی مذہب ملت کے پابند ہوں ہمیں اس مذہب کے بزرگوں کے طور طریقے اپنانے لازم ہیں تاکہ ہم ایک اصول کے پابند ہو سکیں، نہ یہ کہ سبھی مذہب کو (لاطائل) بے کار۔ بیہودہ سمجھ کر عمل کو چھوڑ بیٹھیں پھر تو ہم ایک جانور بے اصول ہی ہونگے۔ تو بزرگوں کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھنا لازم ہوا، اور جب یہ لزوم ہمارے دماغ میں جاگزیں ہو جائے گا تو آہستہ آہستہ ان کے اعمال و کردار کے پیرو بن کر ان کے گروہ کی ایک اچھی فرد بن جائیں گے۔ محبت کی بنیاد یہیں سے اور اسی طریقے سے پڑتی ہے۔ اور یہی عمل جب بکثرت ظہور میں آتا ہے تو وہ جڑ پکڑ لیتا ہے جسے عادت کہتے ہیں اور عادت ہو جانے کے بعد ہر عمل بڑا سے بڑا بھی آسان ہو جاتا ہے اور اس کے ہر مصیبت سہل معلوم ہونے لگتی ہے بلکہ برداشت مصائب میں بھی لذت ملنے لگتی ہے اسی کی طرف حدیث قدسی کا اشارہ ہے عَبۡدِی کُنۡ لِی اَکُنۡ لَکَ مرے بندے تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں گا۔ تو چاہے گا کر بیٹھے گا میں وہ

غنی ہوں جو کسی کا محتاج نہیں، تجھے بھی ایسا غنی بنا دوں گا جو کسی کا محتاج نہ ہوگا، میں تجھ کو اپنا مثل بنا دوں گا۔ نعرہ صلوٰۃ۔

تو یہ درجہ انسان کو محبت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ آیت یہ بتا رہی ہے کہ جس شخص کو یہ دعویٰ ہو کہ وہ اپنے پروردگار سے محبت رکھتا ہے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے، ورنہ وہ دعوے میں جھوٹا ہوگا۔ اس اتباع رسول عربی ہی سے ہم محب خالق عالم بن سکتے ہیں، اتباع نام ہے عمل کا یوں ہوتا جس طرح حضور اکرمؐ کیا کرتے تھے یہی اتباع حقیقی پیروی ہے دین اسلام کی جس دین کے بارے میں آپ برابر سنتے رہے ہیں اَلدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام موجودہ سارے ادیان ہیں جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، بس دین اسلام ہی اس دنیا کے پروردگار کی نگاہوں میں سچا ہے، بات یہ ہے کہ یہ دین اسلام خداوند عالم کا آخری بھیجا ہوا دین ہے، باقی ادیان اگرچہ اپنے اپنے وقت میں سچے اور اچھے ہی تھے مگر اولاً تو امتداد زمانہ پر ہر بعد کو آنے والے دین میں اس زمانہ کی ضرورتوں کے موافق احکام زمانہ بڑھتے گئے دوسرے یہ کہ امتداد زمانہ پر وہ ساری بیرونی باتیں جو ہر دین میں بعد کو بڑھتی گئیں ان کی اصلاح کی بھی ضرورت لازم تھی، مگر

آخری دین یعنی اسلام ایک ایسی قانونی کتاب لے کر آیا جس کے لئے تین باتیں مخصوص تھیں جن کا اعلان بھی خود قرآن ہی نے کر دیا تھا اور یہ تین باتیں وہ تھیں جن کا اعلان کسی بھی آسمانی کتاب نے نہیں کیا۔ نعرہ صلوٰۃ۔

وہ تین باتیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی بات۔ یہ کہ یہ قرآن کسی آدمی کا جمع کیا ہوا یعنی حضرت رسول عربیؐ کا مرتب کیا ہوا نہیں ہے بخلاف اور کتابوں کے کہ اس میں یہ اعلان نہیں ہے چنانچہ آیت ملاحظہ ہو۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یقیناً ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ایسی آیتیں قرآن پاک میں بہت نازل ہوئی ہیں جن کا اعلان یہ ہے کہ یہ قرآن پروردگار کا نازل کیا ہوا ہے۔

دوسری بات یہ کہ۔ اس کتاب یعنی قرآن میں اب کوئی کمی و زیادتی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی حفاظت کا خود خداوند عالم نے اعلان فرما دیا ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں موجود ہے جب کہ ماقبل کی وہ ساری کتابیں جو آسمانی کہی جاتی ہیں ان میں تحریف ہو چکی ہے۔

تیسری بات کا اعلان یوں ہوتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ......اے رسول آج کے دن ہم نے تمہارے دین اسلام کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہاری ان تمام کوششوں پر تم سے راضی ہو گیا جو تم نے دین اسلام کے پھیلانے میں کی ہیں۔ یہ اعلان آنحضرتؐ کے آخری حج کے بعد مقام خم غدیر پر ہوا، جبکہ حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے مجمع میں اپنا جانشین بنایا اور اپنے ممبر پر انھیں بلند کر کے لوگوں کو دکھا دیا تھا (تفصیلی واقعات بیان کرنے مقصود نہیں) صلوٰۃ۔

ہمیں اب آپ کے سامنے محبت کی حقیقت اور اس کے اثرات کو حاضر کرنا ہے، محبت کا مقام دل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سارے اعمال انسانی دل ہی کے اشاروں پر ظہور میں آتے ہیں، تو انسان جس کی بھی محبت دل میں پیدا کرے گا اس کی پیروی خالص اور راسخ اور خود اس کے اعمال سے پوری واقفیت لازم ہو جائے گی کیونکہ بغیر واقفیت ممکن ہے کہ کوئی ایسا فعل ظہور میں آجائے جو اس کے محبوب کی عدم رضامندی کا سبب بن جائے۔ اب ہمیں یہ دکھانا ہے کہ محبت کے سبب کیوں انسان صحیح معنی میں پیرو اور اچھے اعمال پر عامل

بن جاتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ محبت انسانوں کو خودغرضیوں سے
روکتی ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ خودغرضی ہی اصالتہً تمام
برائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے، خودغرضی ہٹ جانے سے انسان لالچی
نہیں ہوسکتا ہے لالچ نہ ہونے کے سبب حق کا انکشاف دل پر ہوتا رہتا
ہے آپ کو سارے تاریخی واقعات بتائیں گے کہ لالچ ہی نے تمام دنیا
میں ہر ہر ملک کے اندر جنگیں کرائیں، ابتدائی دور میں قابیل نے
لالچ ہی کے سبب اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کو مار ڈالا، اپنی بڑائی کی
لالچ ہی میں ابلیس جو ہزاروں برس کا عبادت گذار تھا شیطان بن کر
راندہ درگاہ باری ہو گیا جس کے سبب سارے دروازے برائیوں کے
کھل گئے۔ یہ بالکل واضح بات ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم اسی لالچ کے
سبب جو ان میں آزادی حاصل تھی اسے بنانا نہیں چاہتے تھے اور ایک
سچے نبی کی ایذا رسانی پر تو سو برس پتھر برسانی رہی، مصری قبطی قوم
اپنی بڑائی و سرداری ہی کے لالچ میں موسیٰ کی اسرائیلی قوم کو غلام بنائے
رہی اور انھیں ترقی نہ کرنے دیا جس کے سبب موسیٰؑ کو کتنی تکلیفیں
اٹھانی پڑیں۔ نمرود نے اپنی حکومت ظالمانہ ہی برقرار رکھنا چاہا جس کے
سبب لاکھوں بچوں کا خون ہوا اور حضرت خلیل آتش نمرودی میں ڈالے
گئے فضل خداوندی سے بچے بھی تو گھر سے بے گھر ہو کر سیکڑوں میل دور

بھاگے حضرت عیسیٰ کو تیس ہی برس کی عمر میں کیا کیا مصیبتیں نہ اٹھانی پڑیں، مختصر یہ کہ لالچ کے کرشموں نے کیا کیا مظالم ڈھائے دنیا کی تاریخیں اس سے بھری پڑی ہیں۔۔۔ اسی لالچ کو فنا کر دینے والی دوا یہ محبت ہے جو خود غرضیوں کو جڑ سے اکھیڑ کر میل وجول کی بنیاد رکھتی ہے۔ صلوٰۃ۔

یہ محبت انکساری پیدا کر کے قربانیوں کی راہیں کھولتی اور انسانوں کو اس کے ذریعہ بلند سے بلند مرتبہ تک پہنچاتی ہے، قربانی کی لفظ سے عموماً لوگ صرف جان ہی دے دینا سمجھ لیتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے قربانی ہر وہ چیز ہے جو مرضیٔ خدا کے حصول میں معاون بنے، چاہے وہ وقت گزرنا ہو یا زبانوں سے تقریریں کرنا، قلم کے ذریعہ اعلائے حق کرنا ہو دولتوں کو صرف کرنا نفسوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہو یا اس سے بھی بڑھ کر ثمرات زندگی بچوں کو بھینٹ چڑھا دینا۔ ہاں، قربانیوں کی کی ساری فہرست میں بلند سے بلند قربانی جا نوروں کی قربانی ضرور ہے چاہے وہ جس حیثیت سے ہو، اور خاص کر اولادوں کی جانیں یہ بلند سے بلند درجات رکھتی ہیں اسی لئے قرآن پاک کی ابتلائی آیت لنبلونکم بشیٔ من الجوع والخوف ونقص من الاموال والانفس والثمرات۔۔۔۔ میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ ثمرات زندگی کو سارے

ایسلادوں کے آخر میں رکھا ہے۔

ثمرات زندگی و دل کی جدائی میں ماؤں کی مامتاؤں نے کیسے کیسے پُر ارمان حوصلے اور الفاظ جاری کئے ہیں مختصراً ملاحظہ ہو ــــ

عاشور کی شب ہے افواج اشقیا میں اسلحوں پر صیقل ہو رہی ہے۔ اور ادھر خیام اہلبیت و انصار میں تسبیحیں و نمازیں قائم ہیں قریب بہ صبح جب کہ امام کا دلِ پُر غم صبح کی آمد میں اُمنڈ آیا تو آپ نے قیام اہلبیت و انصار کا جائزہ لینا چاہا۔ مادرِ جناب علی اکبر ام لیلیٰ کے خیمہ کے در پر پہونچے، پردہ جونہی اٹھایا دیکھا کہ شاہزادہ علی اکبر عروس شہادت کے شوق میں تین پہر رات عبادت خداوندی میں گذار کر دل و دماغ کو تازہ بنانے کے لئے سو رہا ہے۔ سرہانے مصیبت زدہ ماں چہرے پر ٹکٹکی باندھے آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی برسا رہی ہے اور زبان لغزشی بیان سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں۔ علی اکبر ماں کے کلیجے میں کوئی دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔ بیٹا یہ چاند سی شکل غزال ہیں، یہ جسم نازنیں مٹی میں اور یہ سیاہ و خوشبودار گیسو کل گرد کربلا میں اَٹے ہوں گے تم کو ہم سے جدا کر دیں گے، بیٹا، اے میرے لعل، پھر تو تمہاری ماں کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو جائیگی، تو کیا بیٹا تمہارے لئے بھی جنت سے کوئی فدیہ آجائے گا، نہیں

نہیں، وہاں تو حاجرہ بی بی کی مبارک تقدیر تھی کہ بیٹے کو چھاتی سے لگا کر دو جہان کی دولت پائی مگر یہاں تو اُم لیلیٰ کا مقدر ہے کہ مدینہ چھوڑتے ہی اجڑ چکا ......"

حضرت وہاں سے آگے بڑھے تو شاہ نجف و قبلہ عالم کی نا مدار بہو ام رباب کے خیمے پر پہونچے، کیا دیکھا کہ چھ مہینے کی جان دو دنوں کی پیاس سے نڈھال ماں کی گود میں پڑا ہے پھول سے بچے کا نورانی جسم پیاس کی سختی سے نیل گوں ہو رہا ہے ماں کی آنکھوں میں اشکوں کا قطرہ بھی نہیں کہ اسے جسم نازنیں پر چھڑک کر اُسے ہوش میں لائے بلکتے ہوئے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں۔ "بیٹا اگر پیاس کا یہی حال اور پانی کا یہی قحط رہا تو کل کی شب اس گود میں کون ہوگا، بیٹا تیرا جھولا سنسان ہوگا، ماں تیرے غم میں سوگ نشین ہوگی اور تو ہم سے جدا ہو کر گور کی تنہائی میں نہ معلوم کس حال میں ہوگا"...... امام مظلوم یہ منظر دیکھ کر تاب ضبط نہ لا سکے اور آنکھوں سے اشک خون برساتے ہوئے آگے بڑھے اور بیوہ بھاوج کے در خیمہ پر پہونچے۔ دیکھا کہ مند شہادت پر قاسم لیٹے ہوئے ہیں، چاند سا چہرہ ماں کی طرف ہے، مرادوں اور منتوں والی ماں بیٹے سے کہہ رہی ہے۔ "بیٹا جہاں تک قرائن بتا رہے ہیں

دکھیا رانڈ ماں کی بھری نگاہیں آج آخری شب اس چہرے کی بلائیں لے رہی ہے، مگر میرے شیر باپ کی وصیت پورا کرنے کا دن کل سر پر ہے دیکھنا میدان کارزار میں قدم پیچھے نہ رہ جائے، بیٹا میدان کارزار کو دائمی خوابگاہ شہادت کو عروس، خونی قطروں کی مہندی اور خاک کربلا کو تخت نوشاہی سمجھنا، یہی مجھ بیوہ کی بڑی سرخروئی اور شادی ہے..."

یہ ہیں ثمرات زندگی کی جدائی کے اثرات ـــ لیکن ایک منزل اس سے بھی کہیں جانگسل اور جانفرسا ہے، وہ ہے مخدرات عصمت و طہارت کی ذلت دبے پردگی، مگر امام مظلوم نے اسکی برداشت بھی بالائے طاقت بشری تک پہنچا دیا۔ مختصر اً عرض ہے کہ جب امامؑ نے سفر عراق کا ارادہ فرمایا تو بہتیرے لوگوں نے اولاً تو آپ کو روکنے کی کوشش کی مگر آپ نے یہ فرما کر انھیں خاموش کر دیا کہ جو کچھ ہمیں کرنا ہے اور جن فرائض پر نانا نے وعدے لئے ہیں میں انھیں ترک نہیں کر سکتا اور مجھے کربلا میں پہنچنا ضروری ہے۔ بالآخر چند اعزا کی یہ رائے ہوئی کہ پھر آپ مخدرات عصمت کو ہمراہ نہ لے جائیں، مگر امام نے اسے بھی نامنظور کر دیا۔ اس نامنظوری کے رموز اس وقت کھلے جب کہ امامؑ کی شہادت کے بعد دشمنان اسلام نے

انھیں سر و پا برہنہ کر کے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک مشہور مشہور بازاروں میں پھرایا، جس کے بارے میں شاعر نے کیا ہی پُر مغز مصرع کہا ہے۔

زینب کو کربلا ہی ملی کربلا کے بعد

یہ حقیقت ہے کہ مظلومہ کربلا جناب زینب علیا مقام ہی کی وہ ہستی تھی جو بعد شہادت امام علیہ السلام اس لٹے ہوئے کاروان کی قافلہ سالار بن سکی، اللہ اللہ، یہ قیامت کا منظر، ادھر یہ بے سر و سامان قافلہ، گرمی کی انتہا کا زمانہ کربلا سے تا شام دس بارہ سو میل کا سفر شتران بے کجاوہ عماری پر سوار بیمار کربلا ہمراہ جس کے جسم پر سوا پوست و استخوان کے کچھ بھی نہ تھا، نہ دوا اور پانی غذا کا نام ہی کیا ——

مومنین، اسی کاروان سفری نے تو سانحات کربلا کو اجاگر بنایا ورنہ یزید اور اس کے اہتمامات وہ تھے کہ ایسا عظیم سانحہ وہ بھی میدان کربلا کی بے آب و گیاہ و گمنام زمین پر پیوند خاک ہو کر رہ جاتا۔ ادھر یہ قافلہ روانہ ہوتا ہے اور اُدھر اس کے پیچھے پیچھے انقلاب قدم بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔

خولی جو کربلا کے قریب کا رہنے والا تھا گیارھویں شب میں سر شہداء کو لا کر ایک کوٹھری میں رکھتا ہے نصف شب میں خولی کی زوجہ

اس کوٹھری میں نورانی شعاعیں دیکھ کر قریب پہنچ کر ایک سوراخ سے اندر نظر کرنے لگتی ہے دیکھتی کیا ہے کہ چند نورانی شکلیں آپہونچی ہیں جو سیاہ نقابوں سے پوشیدہ ہیں ایک بی بی آخر میں وہ پہنچتی ہے جس کی نورانیت نے سارے کمرے کو منور کر دیا مگر وہ سرہائے شہدا پر اس طرح آ کر گرتی ہے جو بیان سے باہر ہے اس کے لبہائے مبارک واحسیناہ، واحسیناہ، وامحمد اوامحمد ...... کے نعروں سے گونج جاتے ہیں، کبھی کبھی بیہوشی بھی طاری ہو جاتی ہے۔

دربار ابن زیاد میں زینب علیا مقام وام کلثوم کے خطبوں نے ہیجان انقلاب پیدا کر دیا، شام تک پہنچتے کتنی جگہوں پر ان آفت رسیدہ اسیروں کی بے بسی دیکھ کر عوام کے دریافت حال پر شور و شین برپا ہو گئیں، سارے درمیانی لوگوں نے یہ جانکاری کر لی کہ مخدرات خانوادہ رسالت کی بہو بیٹیاں ہیں، ایک طرف ان کی بے سرو سامانی دوسری طرف یہ حال زار، بے کسی و بے بسی ایسی جس کا حال قابل بیان نہیں، اور اس پر طرہ یہ کہ والی وارثوں کے سر کٹے ہوئے نیزہ ہائے بلند پر آگے آگے، شام کے بازار کی سجاوٹ، تماشائیوں کا بے پناہ ہجوم اور ان سب میں اسیروں کی موجودگی، اس درمیان میں امام مظلوم کے لبہائے مبارک سے سورہ کہف کی تلاوت، لوگوں کی

نگاہوں کا بلند ہونا اور ایک خانہ برباد بہن کا بین، بس نہ پوچھیے کہ انقلاب کیسا پیدا ہوا۔

ہم صرف اس ایک خطبے کو یہاں درج کر دینا چاہتے ہیں جو پہلا خطبہ اور پہلا انقلاب لانے والا تھا وہ ہے حضرت زینب علیا مقام کا خطبہ جو دربار ابن زیاد میں اپنے لب ہائے مصیبت زدہ و خشک سے ارشاد فرمایا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے

ساری تعریفیں خدائے عز و جل کے لئے ہیں، اور صلوٰۃ ہے میرے جد حضرت محمد مصطفےٰ پر اور ان کی آل طاہرین پر۔ اے اہل کوفہ اے مکر و فریب کے مالک تم ہم پر گریہ کرتے ہو جب کہ ہماری آنکھیں خود اشکوں سے پُر اور میرے نالے آسمانوں کو ہلا رہے ہیں، تم لوگوں نے ایمان کو مکر سے بدل ڈالا، تم لوگ بجز بُرے اوصاف کے اور کچھ نہیں رکھتے، تم نے اپنی زندگی کے لیے کیسا بُرا تحفہ اکٹھا کیا ہے جو غضب خداوندی کا سبب ہے۔ تم نے ہمارے والی و وارث چھوٹے اور بڑے سبھی کو مار ڈالا، اور اب خود کو سرزنش کرتے ہو، تم نے وہ دھبے اپنے چہروں پر ڈال دئے ہیں جو اب کسی پانی سے ڈھلنے والے نہیں، تم نے سردار جوانان بہشت کو تہ تیغ کیا، میرے جد رسول خدا کو خونی اشکوں سے گریان کیا، انکی مخدرات

کو بے پردہ کیا، ان کی ہتک عزت کی، یہ تمہارا وہ ظلم عظیم ہے جس کی نظیر صفحہ زمین پر نہیں مل سکتی...... راوی قسم خدا کی کھا کر بیان کرتا ہے کہ شاہزادی امیر المومنین کے ان کلمات نے سارے مجمع کے جگروں کو برما دیا وہ لوگ انگلیوں کو دانتوں سے کاٹنے لگے اور اتنا روئے کہ سارا دار الامارہ آہ و بکا کی آوازوں سے گونج اٹھا۔

گیارہویں مجلس

جناب مولانا ظہیر حسن صاحب قبلہ بکھاروی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡم۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیۡعِنَا اَبِی الۡقَاسِم مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ

اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَبَارَکَ فِیۡ کِتَابِہِ الۡمُبِیۡنِ وَھُوَ اَصۡدَقُ الۡقَائِلِیۡنَ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔

یہ سورۂ فاتحہ کا جانا پہچانا فقرہ ہے۔ جو قرآن میں سب سے پہلا سورہ ہے اور جسے سبع مثانی بھی کہتے ہیں اس جز کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم تو ایسے ہی کی عبادت کرتے ہیں جو حقیقی حکم دینے والا اور

جن وانس کا خلق کرنے والا ہے۔ اور جو لم یلد و لم یولد ہے۔
وہ خالق جو معبود بر حق ہے۔ وہ خالق جس نے انسانوں کو اشرف المخلوقات
بنایا۔ وہ خدا جس کا نہ مکان اور نہ وہ خود مکین ہے۔ وہ خالق جو
ہر جگہ پھر کہیں نہیں۔ وہ خدا جس نے موت وحیات کو خلق کیا۔ وہ خالق
جس کی عبادت مختلف زبانوں میں کرتے ہیں۔ وہ خدا جس نے
بڑے بڑے سمندر پیدا کیے جس کی کوئی آج تک تھاہ نہ لگا سکا۔
وہ خالق جس نے اور کیسے کیسے بلند پہاڑ پیدا کیے۔ وہ خدا جس
نے بغیر ستون کے آسمان کو قائم کیا۔ وہ خدا جس نے جنت و نار کو
خلق فرمایا۔ وہ خدا جس نے لاتعداد ملک پیدا کیے۔ وہ خدا جس
نے حور و غلمان کو خلق فرمائے۔ وہ خدا جو خالق ارض و سما ہے۔
وہ خدا جو گنہگاروں کے گناہوں کو اور عبادت گزاروں کی عبادت
کو اچھی طرح دیکھتا ہے۔ ایسے ہی خدا کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ ایسے
ہی خدا کو ہم وحدہٗ لاشریک جانتے ہیں۔ اور اسی خدا
کے بارے میں ہم کو تاریخ میں تین الفاظ ملے ہیں کہ جس میں پہلا
لفظ معدوم اور دوسرا ممکن تیسرا موجود۔ معدوم کے معنی یہ ہوتے
ہیں کہ نہ تھا اور نہ ہے اور نہ رہے گا۔ ممکن کے معنی یہ ہیں کہ نہ تھا
پھر ہو گیا اور بعد میں بھی نہ رہے گا۔ موجود کے معنی یہ ہیں کہ پہلے

بھی تھا اور اب بھی ہے اور بعد میں بھی رہے گا۔ یعنی ماضی میں بھی تھا
اور حال میں بھی ہے اور مستقبل میں بھی رہے گا۔ اب تینوں الفاظ میں
موازنہ کیا جائے تو سب سے زیادہ گراں قدر لفظ، لفظ موجود ملے گا۔
تو معلوم ہوا کہ خداوند معدوم ہے اور نہ ممکن ہے۔ بلکہ موجود ہے
اس لئے اس کی عبادت کی جاتی ہے اور اُسی سے مدد مانگی جاتی ہے
ہم تو وہ ہیں جو نہ معدوم کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ممکن کی عبادت
کرتے ہیں بلکہ موجود کی عبادت کرتے ہیں تاکہ ہماری عبادت رائگاں
نہ ہو سکے۔ جو ممکن کو خدا مان کر عبادت کرتے ہیں اُس کی عبادت
نہیں جہالت ہے۔ عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جو ہمیشہ تھا اور اب
بھی ہے اور جب کوئی نہیں رہے گا تب وہ رہے گا بس اس خدا
کی عبادت کی جائے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مفہوم عبادت سمجھا جائے
کہ عبادت کیا شے ہے عبادت کیا چیز ہے، عبادت کسے کہتے ہیں، تو ہم
نے عبادت کو سمجھنے کے لیے خدا کی وہ مقدس پاک و پاکیزہ کتاب جسے
ہم کلام اللہ کہتے ہیں۔ جب ہم نے اُس کتاب کے صفحات کو پلٹا اور بغور
دیکھا تو معلوم ہوا کہ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن
کہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ ہماری
عبادت کریں۔ تو جن و انس کا سبب خلق عبادت ہے عبادت کا مطلب

یہ نہیں ہوتا کہ بارگاہِ الٰہی میں ہر وقت اپنے سر کو خم کئے رہے۔ اور اپنے
گھر والوں کو اور پڑوسیوں کو بھول جائے۔ بلکہ خدا کے حکم پر عمل کرنے
کا نام ہے عبادت۔ اگر ہم نے اُس کے حکم سے الگ ہٹ کر ایک کام بھی
کیا تو وہ جہالت میں بدل جائے گا۔ اسی لئے آج بھی ابلیس کا واقعہ
دہرایا جاتا ہے۔ اُس نے اپنی پوری زندگی عبادت میں صرف کردی تھی۔
مگر خدا کے ایک حکم کی نافرمانی کی تو اسکی عبادت جہالت میں بدل گئی تو
معلوم ہوا کہ خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرنا ہی عبادت ہے اگر اُس کے
ایک حکم کی بھی نافرمانی ہوئی تو عبادت جہالت میں بدل جاتی ہے۔
اگر عبادت کا سلیقہ سیکھنا ہو تو درِ اہلبیت پر آئے تو اُسے پتا چل
جائے گا کہ اہلبیت کی پوری زندگی عبادت میں صرف ہوئی۔ ان کی زندگی کا
ایک ایک لمحہ عبادت میں صرف ہوتا رہا۔ اس لئے کہ انھوں نے زندگی بھر
خدا کے حکم کی فرمانبرداری کی اور اس طرح فرمانبرداری کی کہ خدا کو کہنا
پڑا کہ، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اُولِی الْاَمْرِ
مِنْکُم کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور صاحبانِ امر کی۔
صاحبانِ امر سے مراد آئمہ معصومین ہیں تو اب رسول سے پوچھا جائے کہ کیا
آئمہ معصومین کی اطاعت عبادت ہے تو رسولؐ آواز دیں گے اطاعت تو دور
کی بات ہے۔ صرف علیؑ کو دیکھو کہ اِن کا ذکر عبادت ہے تو جب ذکر عبادت

میں بدل سکتا ہے تو ان کی اطاعت عبادت میں بدل سکتی ہے۔ علیؑ کا سونا عبادت، علیؑ کا جاگنا عبادت، اس علیؑ کا کیا کہنا کہ ولادت کعبہ میں شہادت مسجد میں وہ علیؑ خیبر کشا شوہر بتول، وہ علیؑ جو ملائکہ کے استاد، وہ علیؑ جو مرحب و عنتر کا قاتل، وہ علیؑ جو عمرو جیسے رستم کا مسمار کرنے والا، وہ علیؑ جو شجاعت میں یکتا، وہ علیؑ جو سخاوت میں حاتم، وہ علیؑ جو عدالت میں نوشیروانِ عادل، وہ علیؑ جو اپنے قاتل سے مروت سے پیش آئے، وہ علیؑ جو دامادِ رسول ہیں، وہ علیؑ جو خدا کے ولی ہیں، وہ علیؑ جو حسنؑ و حسینؑ جیسے فرزند کے والد ہیں، وہ علیؑ جو بستر رسول پر سو کر جان بچائی، یہ وہ علیؑ ہیں جو کل ایمان ہیں، یہ وہ علیؑ ہیں جو حلال و حرام میں فرق کرنے والے ہیں، یہ وہ علیؑ ہیں جو فاطمہؑ کا کفو تھا۔ وہ علیؑ جو کفار کو شکست دینے والا تھا۔ وہ علیؑ جو طیور و سمرات و قرطاس کا مسمار کرنے والا۔ صلوات

اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو کل کفر ہوتا کل ایمان نہ ہوتا۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو دعوت ذوالعشیرہ میں رسول کی رسالت کی گواہی دینے والا نہ ہوتا۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو شب ہجرت رسولؐ کی جان کے لالے پڑ جاتے، اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو عمرو جیسے قاتل کو مسمار کرنے والا نہ ہوتا۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو کعبے کی عظمت و وقار نہ ہوتا۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو غدیر کے ممبر پر مومنوں کا کوئی

مولا نہ ہوتا، اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو کوئی سورۂ برات سنانے والا نہ ہوتا، علیؑ نہ ہوتے تو اسلام کا دشمن دفا نہ ہوتا، اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو آج کعبے میں بُت شکنی ہوتی۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو الحام و قرآن کی تکمیل نہ ہوتی، اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو خود رسول کی تجہیز و تکفین نہ ہوتی۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو قاتل مرحب و عنتر نہ ہوتا، اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو آباد خدا کا گھر نہ ہوتا، اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو شجاعت کا جوہر نہ ہوتا۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ اگر یہ علیؑ نہ ہوتے تو کوئی رسول کا داماد نہ ہوتا، اگر علیؑ نہ ہوتے تو خیبر کا در ہوتا در اکھاڑنے والا نہ ہوتا۔

یہ ہے علیؑ کا مرتبہ تو جب علیؑ کے مرتبہ کا کیا کہنا تو اہلبیت کا کیا مرتبہ ہوگا، اسی لیئے خداوند عالم ——————— فرما رہا ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی اور صاحبانِ امر کی، اور عبادت میں زیادہ اہمیت نماز کو دی جاتی ہے، سب سے بہترین عبادت نماز ہے، نماز وہ عبادت ہے جو بُرائی اور بے حیائی سے دور رکھتی ہے، اگر نماز قبول تو سارے اعمال قبول، اور اتحاد کو بھی عبادت میں شامل کیا گیا۔ اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے۔

؎ اسلام میں نفاق قیامت سے کم نہیں
آپس کا اتحاد، عبادت سے کم نہیں

۱ اتحاد بین المسلمین و بین المومنین بھی بہترین عبادت ہے، نفاق سے دین و دنیا دونوں بگڑاتی ہے اور اتحاد سے دین و دنیا دونوں سنورتی ہے۔
غیر مذہب والے اپنے سے کمتر چیزوں کو دیکھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں جب کہ خدا نے انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور انسان اشرف المخلوقات ہونے پر بھی چیزوں کے آگے سر جھکاتا ہے۔ اور سر جھکاتا چلا آیا ہے۔ مادہ پرست انسان نے سورج کو بلندی پر پایا اور دیکھا کہ ہم اس سے آنکھ نہیں ملا سکتے تو اُس کے آگے سر جھکا دیا۔ اسلام نے بڑھ کر آواز دی کہ اے مادہ پرست انسان اس کا ذکر کر جس نے سورج کو بلندی پر کیا اے مادہ پرست اس کی عبادت کر جس نے سورج میں اتنی گرمی چمک پیدا کی، مادہ پرست انسان نے چاند کو بلندی پر دیکھا تو اس کے آگے سر جھکا دیا اسلام نے مادہ پرست انسان کے ذہن کو جھنجھوڑا اور آواز دی کہ اسے سجدہ کرنے سے کیا فائدہ اس کا ذکر کر جس کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ مادہ پرست انسان نے بے شمار ستاروں کو دیکھا تو اس کے آگے سر جھکا دیا، اسلام نے بڑھ کر مادہ پرست انسان کے ذہن کو جھنجھوڑا اور آواز دی، اسے سجدہ کرنے سے کیا فائدہ، اس کا ذکر کر جس کی چوکھٹ پر ستارہ اُترا، مادہ پرست انسان نے اونچے اونچے پہاڑ دیکھے اور تصور کیا اور سوچا کہ اگر ہم اس پر گر جائیں یا ہم پر گر جائے تو ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی۔

تو اُس کے آگے سر جھکا دیا۔ اسلام نے بڑھ کر انسان کے ذہن کو جھنجھوڑا
اور آواز دی ایسے سجدہ کرنے سے کیا فائدہ بلکہ اس کتاب کا ذکر کر جو پہاڑ
پر نازل ہوتی تو پہاڑ چور چور ہو جاتا، مادہ پرست انسان نے اونچے اونچے
درخت کو دیکھا اور خیال کیا کہ اگر ہم پر ایک شاخ بھی گر جائے گی تو ہم
زخمی ہو جائیں گے اس وجہ سے اس نے سر جھکا دیا۔ اسلام نے بڑھ کر مادہ
پرست انسان کو آواز دی اسے سجدہ کرنے سے کیا فائدہ بلکہ اُس کا ذکر کر
جس کو درختوں نے سلام کیا یا درخت نے کلام کیا، مادہ پرست انسان نے
پتھر کو دیکھا تو اسے سجدہ کرنا شروع کر دیا، اسلام نے آواز دی، ایسے
سجدہ کرنے سے کیا فائدہ بلکہ اس کا ذکر کر جس کے ہاتھوں پر پتھر کے
ٹکڑے آئے تو کلمہ پڑھنے لگے، مادہ پرست انسان نے بہتے ہوئے دریا کو
دیکھا اور خیال کیا کہ اگر ہم اس میں گر جائیں تو ہمیں ہلاک کر دے گا تو اُس
کے آگے سر جھکا دیا اسلام نے بڑھ کر آواز دی اسے سجدہ کرنے سے کیا فائدہ
اس کا ذکر کر جس نے دریا پر عصا مارا اس میں راستہ پیدا ہو گیا، مادہ پرست
انسان نے آگ کو دیکھا، اور یہ خیال کیا کہ یہ آگ ہم کو جلا کر راکھ کر دیگی
اُس کے آگے سر جھکا دیا تو اُسے سجدہ کرنے لگا، اسلام نے بڑھ کر آواز
دی اسے سجدہ کرنے سے کیا فائدہ اس کا ذکر کر جس کو آگ میں ڈالا گیا تو
آگ اس کے لیے گلزار ہو گئی۔

یہ ہے ہمارا اسلام یہ ہے ہمارا مذہب اسی اسلام نے قرآن میں ہم کو عبادت کا طریقہ بتایا آج بھی قرآن میں دیکھا جائے تو وہی ملے گا جو پہلے تھا، جناب ابراہیم نے قسم کھائی تھی کہ وَتَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ۔ کافروں سے کہا خدا کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمھارے ان بتوں کو توڑ ڈالوں گا اور جب کافر چلے گئے تو جتنے بُت طاق پر تھے۔ تو جناب ابراہیم نے سب کے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے، اور جو اُن میں کا سردار تھا اُس کو چھوڑ دیا اور اُس کے گلے میں ہتھوڑا لٹکا دیا، جب کافروں کو معلوم ہوا تو اپنے بُت خانہ میں بتوں کو دیکھنے کے لئے آئے تو دیکھا اور کہا کہ یہ ہمارے بتوں کو ہمارے خداؤں کو کس نے توڑا ہے تو شیطان نے یہ خبر کی کہ یہ سب جناب ابراہیم کا کام ہے انھوں نے کیا ہے جا کر ابراہیم سے پوچھو تو لوگ حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ نے ہمارے خداؤں کے ساتھ ایسا کیوں کیا تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ جو اُن میں کا سردار ہے اُس سے جا کر پوچھ لو، تو اُن لوگوں نے کہا کہ ہم اُس سے کیا پوچھیں وہ تو کچھ نہ بولتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ ایسے کو خدا ماننے سے کیا فائدہ کہ جو نہ دیکھتا ہو اور نہ سنتا ہو۔ ارے ایسے کو خدا مانو جو دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو، اور جو کائنات میں رزق پہنچانے والا ہو، جو ذرّے

ذرے کا پینا لگا تا ہو تو ہم ایسے ہی کی عبادت کرتے جو کائنات میں رزق
تقسیم کرتا ہے اور جو اکیلا ہے اور ساری دنیا کا مالک ہو۔ اور جو وحدہٗ
لاشریک ہے۔ اور جس نے زمین و آسمان کو بنایا، اور جو رازق العباد
ہے اسی لئے ہم اُسی کی عبادت کرتے ہیں، اور اسی سے مدد بھی چاہتے ہیں
یہ اور بات ہے کہ مشکل پڑتی ہے تو خدا کے ولی مشکل کشا کو آواز دیتے
ہیں اس لئے کہ رضائے الٰہی اُس کے ہاتھ میں ہے حضرت ابراہیم
کو دیکھ لیجئے کہ ستر ستر کافر مزدوروں کو اپنی عبادت سے کلمہ پڑھا لیا
اور خود مزدوروں نے کلمہ پڑھا کہ جب سجدے میں مزدور گئے تو اپنے
ہاتھوں کو بلند کر کے کہا تھا کہ اے خداوند عالم سر کا جھکانا میرا کام ہے
اور دل کا جھکانا تیرا کام ہے تو دیکھئے کہ جس کی طرف سر جھکے تو دل کو بھی
مائل کر لے، اور یقیناً ایسے ہی خدا کی عبادت کی جاتی ہے اور اُسی سے
مدد بھی مانگی جاتی ہے اور اپنی آرزو اسی سے ظاہر کی جاتی ہے یعنی اپنی آرزو
کا ہاتھ اُس بے آرزو کا ہاتھ اُس بے آرزو کی بارگاہ میں لا کہ مردِ خدا کا کام
سوائے اِس کے اور کچھ نہیں ہے، اور یہ بھی ہے کہ غیروں کے آگے ہاتھ
پھیلانا اور سر کا جھکانا انسان اپنے لئے ذلت سمجھتا ہے اور خدا کے آگے
ہاتھ کا پھیلانا اور سر کا جھکانا عزت سمجھتا ہے اور قرآن میں خداوند عالم
نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ بہتر مدد کرنے والا خدا ہے اے ہم لوگوں

کو چاہیے کہ یہی خدا کی عبادت کریں اور خدا ہی سے مدد بھی مانگے، اور جو خدا
کو چھوڑ کر غیر کی عبادت کرتا ہے تو وہ بندگی سے خارج ہو جاتا ہے اور ہم
پیسے کی عبادت کرتے ہیں، کہ بندہ اگر بندگی چھوڑ دے تب بھی خدا اپنی
خدائی نہیں چھوڑتا اور بندگی چھوڑنے کے بعد بھی خدا رزق کا ضامن بنا
رہتا ہے۔

جناب موسیٰ نے کہا تھا کہ اے پروردگار فرعون اپنے کو خدا کہلواتا
ہے اور ظلم پر ظلم بھی کرتا ہے اس کے بعد بھی تو اسے رزق دیتا ہے۔ تو
خدا نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ فرعون نے میری بندگی چھوڑی ہے تو کیا
میں بھی اپنی خدائی چھوڑ دوں، میں تو اسے رزق دیتا رہوں گا۔

حلال روزی کمانا عبادت، پڑوسیوں کا خیال کرنا عبادت، ماں باپ
کی فرماں برداری کرنا عبادت، بھوکے کو کھانا کھلانا عبادت، کسی برہنہ
لباس کو لباس عطا کرنا عبادت، کسی اندھے کو راہ بتانا عبادت، کسی
بھٹکے ہوئے مسافر کو اس کی راہ کا پتہ بتانا عبادت، یتیموں کے سر پر شفقت
کا ہاتھ پھیرنا عبادت، مسکینوں کی امداد کرنا عبادت۔ بیواؤں کا بھلا
کرنا عبادت۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی سے بچنا عبادت۔ پیاسوں کو
سیراب کرنا عبادت، راہِ ہدایت پر گامزن رہنا عبادت۔ صبر و حق
کی وصیت کرنا عبادت، علمِ دین کا حاصل کرنا عبادت۔ راہِ خدا میں

جہاد کرنا عبادت۔ وقت کے حادثات کو دیکھ کر تقیہ کرنا عبادت، سچ بولنا عبادت کسی کے دکھے ہوئے دل کا سہارا بننا عبادت، برائیوں سے دور رہنا عبادت، استاد کی عزت کرنا عبادت، اچھی باتوں پر عمل کرنا عبادت۔ اور جب ہم نے

ثواب عبادت کا مفہوم سمجھ میں آگیا۔ جب تاریخ کربلا اٹھا کر دیکھی گئی اور حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے واقعات پڑھے گئے تو معلوم ہوا کہ ان کی عبادت ایسی تھی کہ جس نے معراج کی بلندیوں کو چھو لیا، یہ ایسے عابدین ہیں جن پر عبادت کیا بلکہ معبود کو بھی ناز ہے، عاشور کی وہ المناک رات ہر طرف ہُو کا عالم، تپتا ہوا صحرا، چہار جانب دشمنوں کا نرغہ خیمے میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی صدائیں العطش العطش، تین دن کی بھوک و پیاس۔ پھر بھی کربلا کے مجاہدین نے وہ تمام شب عبادت الٰہی میں اس طرح بسر کر دی کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی، دوست تو دوست دشمن نے بھی اس بات کا اقرار کیا کہ تمام شب خیامِ حسینؑ سے تسبیح و تحلیل صدائیں بلند ہو کر فضاؤں میں گونجتی رہیں، یہاں تک کہ عاشور کی وہ قیامت خیز شب تمام ہوئی، اور بالآخر صبح نمودار ہوئی۔ جناب علی اکبرؑ کی آوازِ اذاں فضاؤں میں بلند ہوئی جس کو سن کر لوگوں کو رسول اسلام کا زمانہ یاد آگیا

اصحابِ حسینی نے جلتی ہوئی ریت پر تیمم کر کے فریضۂ عبادت ادا کیا۔
لیکن ابھی نماز بھی نہ تمام ہونے پائی تھی کہ لشکرِ یزید کی طرف سے
تیر آنا شروع ہو گئے۔ جو کہ جنگ کا آغاز تھا، مجاہدین مصلوں سے
یا علیؑ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک کے بعد ایک سب درجۂ
شہادت پر فائز ہوتے رہے، یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت آ گیا۔
امام عالی مقام دیکھ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ اوّلِ وقت
نمازِ ظہر ہے۔ مگر خاموش نظر آ رہے ہیں امام کے اس خاموشی کے پیچھے
ایک عظیم مصلحت پوشیدہ تھی، گویا کہ امام دنیا کو یہ دکھلا دینا چاہتے
تھے کہ میدانِ کربلا میں اپنے ساتھ جن لوگوں کو لے کر میں آیا ہوں۔
اُن کے دِلوں میں بھی عبادت کی وہی عظمت موجود ہے، جو میرے دل
میں ہے۔ امامؑ کی خاموشی کو ایک صحابی نے یہ کہہ کر امام کے قول کی تصدیق
کر دی کہ مولا یہ اول وقت نمازِ ظہر ہے اور دنیا کے انسانیت کو یہ درس
دے دیا کہ ہم میں کا ہر فرد عبادت گزار اور متقی و پرہیزگار ہے امامؑ
نے ابوثمامہ کے چہرے پر ایک نظر کی اور پھر آسمان کی جانب دیکھا اور
فرمایا کہ بیشک یہ اوّل وقت نمازِ ظہر ہے۔ خدا تمھیں بہترین عبادت
گزاروں میں شمار کرے، امامؑ کے اس قول نے عظمت کو واضح کر دیا ساتھ
ہی اپنے اصحاب کے جذبۂ عبادت کو نمایاں طور پر دنیا کے سامنے

واضح کر دیا۔

امامؑ نے یزیدیت کے چہرے پر پڑی ہوئی کفر کی نقاب کو عبادت کی ضیا سے تار تار کر دیا۔ جب کہ نواسۂ رسولؐ کو دشمن نے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی اور مسلسل تیروں کی بارش ہوتی رہی لیکن امامؑ بھی اپنے سینے کے اندر اُس باپ کا دل رکھتے تھے جس نے صفین کے میدان میں صفوں کے بیچ مصلہ بچھا دیا، اور جب ایک صحابی نے عرض کیا کہ مولا یہ جنگ کا وقت ہے اور عبادت میں مشغول ہیں۔ تو جواب میں حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں اسی نماز کو قائم کرنے کے لیے ہی یہ جنگ کر رہا ہوں، میدان کربلا میں امام حسینؑ نہ صرف نماز کو قائم کرنے کے لئے بلکہ اسلام کو زندہ جاوید بنانے کے لیے جنگ کر رہے تھے چنانچہ لشکر یزید لعین سے تیر آتے رہے، اور اصحاب حسینیؑ اطمینان وسکون نماز ظہر میں مصروف رہے جب بھی کوئی تیر دشمن کی جانب سے آتا تو جناب سعید و زبیر بڑھ بڑھ کر اپنے سینے پر روک لیتے، ~~حضرات مومنین~~ نماز ظہر تمام ہوئی، لیکن جب نماز عصر کا وقت آیا تو آپ امام حسین یک و تنہا تھے، اور کوئی مونس و غمخوار موجود نہیں تھا۔

نہ لشکر ہے، نہ سپاہ ہے نہ کثرۃ الناس

نہ قاسم نہ علی اکبر نہ عباس

اب وہ وقت ہے کہ امام عالی مقام فرسِ ذوالجناح سے تشریف لائے اور پیشانیٔ مبارک سجدۂ معبود میں خم کیا، امامؑ کا یہ آخری یادگار سجدہ تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتا امام نے سجدے سے خود سر نہیں اٹھایا بلکہ اُس سر کو نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا لیکن اس کے باوجود بھی سلسلۂ عبادت جاری رہا، اور امام کے لب ہائے مبارک سے سورہ کہف کی تلاوت ہوتی رہی، کربلا سے شام تک امامؑ اِس شان سے ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے اور حق عبادت ادا کرتے رہے۔

امام حسینؑ کے ساتھ جناب زینب کی عبادت بھی ایک عظیم یادگار ہے، جنھوں نے قید خانۂ شام کا ایک ایک لمحہ عبادتِ الٰہی میں اس طرح بسر کر دیا کہ خود عبادت بھی اُس پر ناز کرتی نظر آتی ہے، امام زین العابدینؑ ناقل ہیں کہ ایک روز میں نے اپنی پھوپھی جنابِ زینبؑ کو قید خانۂ شام میں بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا اے پھوپھی جان آج پہلی بار میں آپ کو اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھ رہا ہوں۔۔ اے پھوپھی جان اس کا سبب کیا ہے۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا۔ اے بیٹا سیّد سجاد بیشک آج پہلی بار بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہوں، اے بیٹا سیّد سجاد یزید کی طرف سے ہر روز کھانا اور پانی اتنا قلیل مقدار میں آتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھوکے اور پیاسے رہ جاتے ہیں پس مجھ سے اُنکی یہ

حالت نہیں دیکھی جاتی اور میں اپنے حصے کا کھانا بچوں کو کھلا دیتی ہوں اے بیٹا سید سجاد آج کئی روز گزر چکے ہیں کہ کھانا نہیں کھایا جس کی وجہ سے ضعف و نقاہت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ کھڑے ہونے کی تاب نہیں، لہٰذا بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہوں اس قید خانۂ شام میں اہل حرم نے تقریباً ایک سال سے زیادہ وقت بسر کیا۔ یہ وہ قید خانہ تھا کہ دن کی دھوپ رات کی شبنم، اہل حرم کو کسی صورت چین نہیں تھا یہاں تک کہ امام حسینؑ کی ناز پروردہ بیٹی سکینہؑ قید میں سختیاں سہتے سہتے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

غرض کہ وہ دن آیا یزید لعینؑ کو اپنے ظلم کی ندامت ہوئی اور اس نے امام زین العابدینؑ کو قید خانہ سے دربار میں طلب کیا جب امام زین العابدینؑ دربار میں تشریف لائے وہی یزیدؑ جس نے امامؑ اور اہل حرم پر ظلم کی کوئی حد باقی نہ رکھی تھی، آج تعظیم کے لئے کھڑا ہو رہا ہے اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ امامؑ سے گفتگو کی اور امامؑ سے کہا کہ اب آپ لوگ آزاد ہیں جی چاہے یہاں رہیے جی چاہے مدینہ واپس جائیے آپ کو اختیار ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ جب تک میں اپنی پھوپھی جان سے اجازت نہ لے لوں گا۔ اس وقت تک میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اور امامؑ دربار سے قید خانہ واپس آئے تو دیکھتے ہیں کہ زندان کے دروازے پر زینبؑ

کھڑی ہیں جب امامؑ قریب پہنچے تو امام کو گلے سے لگا لیا اور پوچھا کہ بیٹا سید سجاد بتاؤ کہ یزید لعین نے کیوں طلب کیا تھا۔ امام نے کہا اے پھوپھی اماں آج یزید لعین نے ہمیں رہا کیا اور یہ کہا ہے کہ جی چاہے یہاں رہو جی چاہے مدینہ چلے جاؤ لیکن میں نے اُس سے کہا کہ جب تک میں اپنی پھوپھی جان سے اجازت نہ لے لوں گا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زینب نے کہا بیٹا۔ یزید لعین سے کہو کہ پہلے وہ ہمارے لیے ایک مکان خالی کرا دے جس میں، میں اپنے بھائی کا ماتم کر لوں، اس لئے کہ میں اتبک اپنے بھائی پر رونے نہ پائی ہوں۔

غرض کہ دمشق میں ایک مکان خالی کرایا گیا، اور اس میں اہل حرم آئے۔ جب اہل حرم اُس مکان میں آئے تو دمشق کی عورتیں جمع ہوئیں اور زور دار ماتم ہوا اسی اثنا میں یہ بھی کہا گیا کہ شہدا کے سر واپس کئے جائیں۔ اُن کی اس خواہش کو منظور کر کے یزید لعین نے شہیدوں کے سر بھجوائے۔ لیکن عزادارانِ امام مظلوم ذرا دلوں پر قابو رکھ کر سوچو اور غور کرو کہ آج کے زمانے میں جب کسی کے گھر کا کوئی آدمی بغیر کسی کے مارے ہوئے مرتا ہے تو پورے گھر کا عالم یہ ہوتا ہے کہ گھر کے ہر ہر فرد کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اب ذرا انصاف سے بتاؤ کہ جب اہل حرم کے سامنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کئے ہوئے سر لائے گئے ہوں گے تو اہلحرم پر

کیا گزری ہوگی۔

ہاں تاریخ اتنا ضرور بتاتی ہے کہ سرہائے شہداء لائے جانے لگے جب کسی شہید کا سر آتا تھا تو اسی حجرے میں تمام بیبیاں اس قدر گریا کرتی تھیں اور اس قدر سر و سینہ پیٹتی تھیں کہ ان کی آوازوں سے تمام در و دیوار لرزاں تھے۔ اور کبھی قاسمؑ کا سر آیا تو جناب ام فروہ نے بڑھ کر گود میں لے لیا۔ جب علی اکبرؑ کا سر آیا تو جناب اُم لیلیٰ نے بڑھ کر لیا۔ غرض ایک ایک سر آتے رہے اور بیبیاں بڑھ بڑھ کر لیتی رہیں۔

ایک مرتبہ ایک ننھا سا سر آیا جو اتنا معصوم سا تھا کہ اس سر کے دیکھنے کے بعد تمام زنانِ دمشق میں ہل چل مچ گئی۔ عزادارو یہ جانتے ہو کہ کس کا سر تھا یہ اُسی شیر خوار کا سر تھا۔ جسے امام حسینؑ نے شہادت کے بعد ننھی سی قبر کھود کر دفن کر دیا تھا کہ شاید اس کی لاش پامالی سے بچ جائے۔ لیکن ظالموں نے زمین میں نیزہ چبھو چبھو کر اسے بھی باہر نکال لیا اور جب یہ معصوم سر حجرے میں آیا تو جناب اُم رباب نے بڑھ کر گود میں لے لیا۔ اور جب حسینؑ کا سر آیا تو چہیتی بہن زینب نے بڑھ کر گود میں لیا۔ اور جب جناب عباسؑ کا سر آیا تو جناب اُم کلثوم نے بڑھ کر گود لیا اور تاریخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دو ننھے ننھے سر آئے۔ ان دونوں سروں کا آنا تھا کہ دمشق کی تمام بیبیاں تعظیم کے لیے کھڑی

ہو گئیں لیکن ان سروں کو لینے کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا۔ ایک مرتبہ دمشق کی بیبیوں نے پوچھنا شروع کیا۔ کہا۔ کیا ان بچوں کی ماں موجود نہیں ہیں۔ دمشق کی بیبیوں کا کہنا تھا کہ زینبؑ تڑپ گئیں اور کہا کہ اے بیبیوں یہ نہ سمجھنا کہ بغیر ماں کے ہیں میں ہی ان بچوں کی ماں ہوں۔ لیکن کیا کروں میں اپنے بھائی پر روؤں یا اپنے بچوں پر۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ اہلِ حرم نے کس طرح آہ ونالہ و ماتم کیا لیکن میرا دل یہ کہتا ہے کہ جب کسی بی بی کو اپنے بیٹے کا سر ملا ہوگا تو پہلے اُن کے زلفوں کو سنوارا ہوگا سینے سے لگایا ہوگا بین کرنا شروع کیا ہوگا۔ اے میرے لال مدت سے میری تمنا تھی وہ دن آئے جب میں تمھیں دولھا بنا ہوا دیکھوں لیکن ہائے تمھیں ظالموں نے تماک دخون میں ملا دیا جب کسی بھائی کا سر کسی بہن کی گود میں آیا ہوگا تو اُس بہن نے اپنے رخسارے کو بھائی کے رخسار پر رکھ دیا ہوگا اور یہ بین کیا ہوگا کہ ارے بھیّا تم تو میری زندگی کے ڈھارس تھے۔ تم ہی میرے دل کی تمنا تھے اور اس کے علاوہ محبت کے کلمات جو ایک بہن اپنے بھائی سے کہہ سکتی ہے۔ وہ سب ادا کئے گئے ہوں گے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

بارھویں مجلس

خطیب پاک علامہ رشید ترابی صاحب قبلہ مدظلہ العالیٰ
(آف پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ حقیقت ہے کہ جسم ترقی کر رہا ہے اور اپنی منزلوں سے گزرتا جارہا ہے اور اس سلسلہ میں جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی مشاہدات جو تغیرات کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ جسم انسانی ایک نہ ایک دن فنا ہوگا تو معلوم ہوا کہ جسم انسانی کے لئے کچھ عرصے کے واسطے حیات اور پھر موت انسان کو اپنے دور حیات میں اختیار ہے کہ یقین کے ساتھ اپنے ارادوں کو فطرت الٰہیہ کا پابند بنا کے۔ یا فطرت سے بیزاری کا اعلان کرے اس طرح روح کی حالت ہے۔ ایک ابتدا ایک انتہا، یا انتہائی بلندی، یا انتہائی پستی، انتہائی بلندی میں سیر کمال اور انتہائی پستی میں انسانیت کی

سطح سے نیچے اس کے لئے بھی یا حیات ہے یا موت، روح کی حیات، علم، روح کی موت، جہل۔ جس کی حیات روح نکل جاتی ہے وہ شہید مرتا ہے۔ جس کی روح کی حیات عطا کی جاتی ہے، وہ زندہ جاوید ہے۔ ارشاد باری ہے کہ خدا اپنی وحدانیت پر گواہی دیتا ہے کہ میں ایک ہوں۔ اللہ گواہ ہے۔ اللہ شہید ہے سوائے اس کے کوئی شہید نہیں ہے۔ شہادت کی منزل پہ دوسرا آنے والا ملک ملائکہ گواہی دیتے ہیں۔ تیرے شہید۔ صاحبان علم جو عدل پر قائم ہیں۔ یہ منزل آپکو فکر کی ایک اور دعوت دیتی ہے۔ شہادت الٰہی۔ شہادت ملائکہ۔ شہادت اہل علم، توحید کے لئے خدا خود شہید، ملائکہ شہید، صاحبان علم شہید۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ان اللہ وملایکتہٗ ویصلّون علی النبی یا ایّھا الذین امنو صلو علیہ و سلموا تسلیما ـــــ خدا کا درود بھیجنا، ملائکہ کا درود بھیجنا، نبی پر اور نبیؐ کا صاحب علم ہونا ثابت، اللہ، ملائکہ اور صاحبان ایمان، درود بھیجے ہیں نبیؐ پر، صاحبان علم شہادت دیتے ہیں۔ توحید الٰہی کی۔ یہ ہے علم کا کمال کہ شہید۔ توحید الٰہی ہو صاحبان علم وہی جو شہادت دے وحدت باری تعالیٰ کی، یہی ہے وہ گفتگو جسے آپ غور سے سماعت فرمائیں۔ اور سمجھنے کی کوشش کریں جس نے آپ کو خداشناسی کی منزل تک پہنچایا۔ کائنات اس کے سامنے آگئی۔ ذات کو

دیکھا تو صفات کو دیکھا۔ یہ ہے علم حضوری اس منزل پر کہا جا سکتا
ہے کہ جہاں علم خداشناسی، وہاں علم عبادت لازم اور عبادت
کے لیے ایک شرط ضروری، وہ شرط نیت ہے۔ نیت سے مراد یہ کہ جس
راستہ سے میں چل رہا ہوں اس سے ہٹ کر کسی اور منزل پر نظر نہیں
جائے گی۔ علم عبادت، عبادت کے لیے نیت لازم، کہا مالک تیری
طرف آرہا ہوں مجھے بچالے شیطان سے۔ اعوذ باللہ من الشیطن
الرجیم ملت مسلمہ اس جملہ کو کتنی مرتبہ دہراتی ہے اعوذ باللہ کہتے
ہیں کتنے شرائط ہیں غور سے سنئے پانچ منزلیں ہیں۔ پہلی منزل پر
استفادہ، یعنی پناہ مانگنا، دوسری منزل مستفد پناہ مانگنے والے
سے متعلق کہ میں کیا ہوں؟ میری ہستی کیا ہے۔ عدم محض، خطا و گناہ
کا ہر وقت امکان، تو خالق، میں مخلوق، تو مالک، میں مملوک، اب
آیئے تیسری منزل پر، یعنی مستغاذ یہ، یعنی جس شئے سے پناہ مانگی
جائے چوتھی مستغاذ مہ کی یعنی جس کی بابتہ پناہ مانگی جائے، پانچویں
اور آخری منزل استغاذ یہ یعنی جس سے پناہ مانگی جائے، پناہ مانگنے
والا کون؟ کس سے پناہ مانگی جارہی ہے۔ وسوسہ، شیطان سے بچانے
والا کون ہے؟ قادر مطلق، خالق کائنات حی ازلی کل کا مالک۔ کون مسلمان
ایسا ہے جو... اعوذ باللہ، زبان سے کہتے وقت ان پانچ منزلوں پر غور

کرنا ہے اس وقت تک نہیں بچ سکو گے شیطان کو جب تک نہ پہچان لوگے، اپنی نفس کی معرفت ہوئی ہے اپنے آپکو، اپنے نفس کو یہ معلوم ہو کہ پناہ دینے والی قدرت کیا ہے۔ اس کی توانائی کیا ہو۔ اعوذ باللہ کی منزل واضح نہیں تو بسم اللہ کی منزل کیا سمجھ میں آئے گی لا الہٰ کو نہیں جانا۔ اللہ تو بہت دور ہے میں چاہتا تھا آپ پر واضح ہو جائے کہ سیر کمال پر جاتے ہوئے بچنا کن کن سے ہے۔ کس کس سے دور ہو کر جانا ہے۔ اس لئے ہر قدم پر سوچنا ہے۔ ہر منزل پر فکر کرنا ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ کس کس سے دور رہنا ہے۔ کس کس سے بچنا ہے۔ قرآن ایک معجزہ ہے۔ آج بھی اور قیامت تک کے لیے۔ مگر کس کے لئے ہ فکر کرنے والوں کے لیے ایک دل میں دو محبتیں نہیں آسکتیں، یا شیطان رہ سکتا ہے یا پھر قرآن مردوں کو جلانے کو کہا اور عیسیٰ نے جلا کر دکھا دیا، یہ صحیح ہے، یہ واقع ہے، حقیقت ہے، انکار نہیں۔ اس سے انکار حقیقت انکار کے برابر ہو گا۔ لیکن عیسیٰ نے مردے کو کب اور کس وقت جلایا ہ عجیب منزل ہے عیسیٰ نے مردے کو اس وقت تک نہیں جلایا جب تک شیطان سے دور نہیں ہوئے لا الہٰ کی نفی نہیں کثرت سے اس کی ذات کو الگ نہیں کیا۔ ایک کو نہیں مانا۔ وحدت کے راز کو نہیں سمجھا اس کے بعد ہی تو لا الہٰ کی حقیقت معلوم ہوئی یا لک

نے عیسیٰ کی ٹھوکر میں یہ اثر پیدا کر دیا کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ قرآن آواز دے رہا ہے جہاں ہم نے شیطان کو ہٹایا دور کیا۔ باطل کی آواز کو سننے سے انکار کیا۔ اس وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا جا سکتا ہے۔ پکارنے والا پکارتا ہے۔ میں تو اس منزل پر پہنچانا چاہتا ہوں جو کلام کے لئے ضروری ہے۔ مومن ہو کہ کافر سب پر ایک نظر ہے۔ فرعون ہو کے موسیٰ۔ ابراہیم ہو کے نمرود، سب کو رزق دیتا ہے۔ لیکن رزق پانے والوں کے درجات الگ ہیں۔ ذرّہ ذرّہ کا وہی رازق ہے، حیوان کا وہی رازق ہے آنکھوں کے لئے رزق بصارت۔ کانوں کے لئے رزق سماعت، زبان کے لئے رزق ذائقہ۔ ہاتھوں کے لئے رزق قوت احساس۔ اسی طرح عقل کے لئے رزق سمجھنے کی صلاحیت اچھے برے کی تمیز۔ نیک بد کی پہچان، ہر شئے کے لئے رزق موجود۔ کائنات کی ہر شئے کو رزق عطا کرتا ہے۔ انسان اگر رزق مانگے تو مانگنے کا طریقہ بتلایا۔ ضروریات زندگی کی حدیں قائم کر دیں۔ بہر حال اس نے ہر فائدہ ونقصان کو بتایا۔ اس کے بعد بھی اگر تم نہ سمجھو تو گھاٹے میں رہو گے تم ذمّہ دار ہو گے۔ ہم نہیں۔ عطا ہم نے کیا اس لئے کہ تم مانگ رہے تھے، نتائج وعواقب تم جانو یہ تمھاری ذمہ داری ہے۔ لوہا جماد ہے آپ کے ہاتھ کی صناعی نے اسے تیغ بنا دیا۔ ہاتھ کی طاقت بھی ایک قوت ہے۔ اگر صناعی اور طاقت کا صحیح استعمال

ہو اور وہ کسی کی گردن پر صرف ہوں تو آپ ذمہ دار۔ لوہا ہم نے بنایا، تیزی ہم نے دی، ہاتھ کی طاقت ہم نے دی۔ اس کی گردن ہم نے بنائی تم نے چاہا کہ ہاتھ چلے اور اس کی گردن کٹے، اس کی ذمہ داری تم پر ہے۔ دیا سلائی کا عموماً ہر گھر میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے گھر کو روشن کرنے کے لیے، اندھیرے کو دور کرنے کے لئے، گھنے جنگلوں میں اُجالا پیدا کرنے کے لیے اس میں مادہ احتراقی موجود ہے۔ دیا سلائی اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اس سے چراغ جلے تو خیر، کسی کا گھر جلے تو شر، مادہ ہم نے بنایا، مادہ میں احتراق اور جلنے کی صلاحیت ہم نے پیدا کی۔ تشریع نے حدیں معین کر دیں، جائز و ناجائز، حلال و حرام کی، آپ کے سامنے تشریع کے احکام ہیں۔ کہاں تک آگے بڑھوں، کہاں جا کر رک جاؤں لِسانِ استغاثہ سے مانگنے والے مانگ رہے ہیں۔ خداوندِ رحمان سب کو عطا کرتا ہے جو اصول سے انحراف کرے۔ صاحبانِ ایمان کے راستے سے ہٹ کر چلے، تو توفیق ہدایت اس کی شامل نہیں ہوتی۔ منھ توڑ کر جا رہے ہو۔ تشریع سے ہٹ کر چلتے ہو تو جاؤ۔ پھر نہ کہنا کہ خدا نے گمراہ کیا۔ چلنے کی طاقت قدرت نے دی تھی نیک بد کی راہیں تشریع نے بتلا دی تھیں، ہر چیز کو واضح کر دیا تھا، نہ مانو تو تمھارا اختیار دنیا ایک دوراہے پر آکے کھڑی ہو گئی اور کہہ دیا سب کچھ مالک کی طرف سے ہے۔ پیغمبر اسلام نے کہا، مالک کے راستے تو معین

کر دئے تھے۔ لیکن یہ لوگ شریعتِ بندگی تعلیم کے خلاف جا رہے ہیں۔ آواز آتی ہے ہم نے تشریع کو نافذ کیا۔ ہم نے محمد ابن عبداللہ کو بھیجا ہمارے حکم کو مانو حلال کو حلال سمجھو، حرام کو حرام سمجھو جائز کو جائز سمجھو ناجائز کو ناجائز سمجھو۔ اچھے کو اچھا سمجھو برے کو برا سمجھ تبلیغ ختم ہوئی ایسے موقع پر آوازیں بلند ہوئیں، شور مچا، ہنگامہ برپا ہوا کہ اس انسان کو معصوم نہیں مانتے جو غلطی کر سکتا ہو۔ اس سے خطائے اجتہادی ہو سکتی ہے اس منزل پر کتاب اور سنت میں فرق پیدا کر دیا۔ رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں نے سنت میں اختلاف کیا اسلئے ضرورت تھی جاتے ہوئے دو چیزیں چھوڑ جاتے۔ ایک کتاب ایک محافظ یعنی اہلبیت۔ تاکہ کتاب کو سمجھنے میں دشواری نہ پیدا ہو۔ عمل میں اختلاف نہ رہے۔ کوئی عمل کتاب کے خلاف نہ ہو۔ یہ ایک بڑی دشوار منزل تھی۔ رسول چاہتے تھے کہ دعوت حق کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اعلان حق مسلسل ہوتا رہے۔ صرف کتاب چھوڑ جاتے تو مدعا پورا نہ ہوتا ہر شخص تو کتاب سمجھنے سے رہا کتاب یقیناً راہِ نجات ہے۔ یقیناً قابل ہدایت ہے مگر دنیا نے کتاب کو کافی سمجھ لیا۔ خدا جانتا تھا کہ حکم پیغمبر پر دنیا عمل نہیں کرے گی۔ مگر اسے تو کتاب اور عمل پیغمبر کی حفاظت منظور تھی۔ قرآن کی حفاظت اس طرح کی۔ عمل پیغمبر

کی حفاظت کا سوال تھا۔ اس لئے آواز آئی۔ اے رسول اپنی رسالت کی
اُجرت مانگو اب تک کسی نے مزدوری نہیں مانگی۔ ابراہیم نے بھی زحمتیں
اٹھائیں تھیں، نوح نے تکالیف برداشت کی تھیں، موسیٰ نے ترک وطن
کیا اور مصیبتیں اٹھائیں۔ عیسیٰ دار پر لٹکائے گئے۔ لیکن کسی نبی نے امت
سے مزدوری نہیں مانگی یہی کہتے رہے کہ ہمارا اجر خدا پر ہے۔ ہمارا صلہ
خدا دے گا۔ رسول اللہ نے اجر کیوں مانگا۔ اس لئے کہ سابقہ شریعت
بدلنے والی تھی۔ ہر زمانے ہر ملک کے لئے نہ تھی۔ اگر مزدوری کو واجب
کر دیا جاتا تو آنے والی آخری شریعت کے قائم ہونے کا کوئی امکان نہ
تھا۔ ابراہیم اجر مانگ لیتے۔ موسیٰ اجر مانگ لیتے۔ عیسیٰ اجر مانگ لیتے
امت سے تو ان کی شریعت کو منسوخ کرنا عدل الٰہی کے خلاف ہوتا مگر
ان کی شریعتیں تو منسوخ ہونے والی تھیں اور شریعت محمدیہ پر خاتمیت
کی مہر ثبت کرنا اللہ کی مشیت میں تھا۔ ایسے میں باطل کی آوازیں بلند
ہوئیں تا کہ سلسلہ حق رک جائے۔ قدرت نے چاہا کہ باطل کی آوازوں
کو بند کر دے۔ حکم ہوا اے حبیبؐ اجر رسالت مانگو۔ رسولؐ نے مانگا یہ
کوئی گھبراہٹ کی بات نہ تھی۔ رسولؐ نے دولت اولاد، دولت مال،
دولت زندگی نہیں مانگی مزدوری میں صرف قربیٰ کی محبت و مودت طلب
کی۔ کسی اور کے قربیٰ کی محبت کو واجب نہ کیا۔ اس کے قربیٰ کی محبت کا

حکم دیا جو رحمۃ للعالمین ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ
اس منزل پر آواز آئی قُل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی
القربیٰ۔ کہدو اے رسولؐ، نہیں سوال کرتا تم سے اجرِ رسالت کی مزدوری
کا۔ مگر میرے قربیٰ کی محبت دائمی محبت ہے۔ دیکھنا یہ کہ اجرِ رسالت کیسے ادا
ہو؟ کون موجود ہے؟ کوئی موجود ہے کہ نہیں؟ جو موجود ہے باقی ہو کہ نہیں۔
حقیقتِ محمدیہؐ باقی ہے کہ نہیں۔ اگر باقی نہیں ہے تو نہ رسالت موجود
ہے اور نہ قرآن اور نہ معجزہ، نہ پیغمبر اسلام کی تبلیغ اور اگر حقیقتِ محمدیہؐ کا
وجود ہے تو معجزہ کے ساتھ معجز نما کا ہونا ضروری ہے۔ سارے قرآن
سے ثابت ہے کہ حقیقت محمدیہؐ باقی ہے عصمت فاطمہؑ کے ساتھ۔ صولتِ حیدریہؑ
کے ساتھ حلم حسنیہؑ کے ساتھ۔ شجاعت حسینیہؑ کے ساتھ۔ عبادت سجادیہؑ
کے ساتھ۔ مآثر باقریہؑ کے ساتھ۔ آثار جعفریہؑ کے ساتھ۔ علوم کاظمیہؑ
کے ساتھ۔ حج رضویہؑ کے ساتھ، جود تقویہؑ کے ساتھ، عبادت نقویہؑ کے
ساتھ، ہیبتِ عسکریہؑ کے ساتھ اور غیبت الٰہیہ کے ساتھ۔ یہ سب محمدؐ
کے قریب ہیں۔ ہم سب کو ترقی میں خدا نہیں انسان بننا ہے انسان کا
وجود لازم جو سلسلہ انبیاء کا آدم سے خاتم تک رہا۔ اس میں وحدت
فکر ملتی ہے۔ وحدت فکر کا ایک سلسلہ ہے جو ٹوٹنے نہیں پاتا۔ عزیزان
گرامی غور سے سنئے بڑا اہم مقام ہے۔ دعوت فکر بہت بلند ہے۔ ذاتِ

باری کا تذکرہ ہے۔ خیال و گمان و وہم اس تک نہیں پہنچ سکتا جہاں صفات عین ذات، اس کی ذات میں عدل، توحید، عدل کے ساتھ، خدا کا عدل مسلم تو پھر یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی عقلِ انسانی ناقص اس لئے ضرورت تھی کہ عالم کو بھیجتا۔ اپنے صفات کا مظہر بنا کر بھیجتا۔ تاکہ وہ ہر بات کو سمجھ سکے ہر چیز پر روشنی ڈال سکے۔ کوئی غلطی اس سے نہ ہوتا کہ ہمارے لئے نظیر بن جائے۔ غور سے سماعت کیجئے ممکن ہے کہ ہم حق سے قریب تر آجائیں عقل تو یہ کہتی ہے کہ ایسے بھیجے جانے والے کو خطاکار نہ ہونا چاہیے اگر وہ ایسا نہ ہوا تو اس کا اعتبار کون کرے۔ اس کی بات میں وزن کہاں سے آئے۔ خدا کی عدالت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے پیغام کا حامل سچا ہو خطاکار نہ ہو اس کا ثبوت یہ ہے کہ آدم سے خاتم تک دیکھ ڈالئے وحدت فکر کا ایک سلسلہ آپ کو ملے گا۔ نبوت دعوت علم و صبر و سکون، ولایت، کشف حجاب، ولایت، دعوت جلا، جہاں تلوار چمکے اور حق و باطل کے فرق کو ظاہر کر دے۔ نبوت تنزیل ولایت، تاویل، نبوت، شہادت کی وہ پر سکون منزل جہاں خبر پہنچانا ہے۔ ولایت وہ جہاں خبر پہنچانے والے کے بعد امتحان لیا جائے نبوت خلق مجسم، ولایت، قربانی، جلال کی منزل، محمد کیوں آئے اس لئے کہ جمال مقصود، حجاب کی منزل میں کیوں، اس لئے کہ نبوت پیش نظر عرض میں

جائے تو ولایت، طولی ترقی ختم نبوت، عرض میں جب ولایت جاتی ہے تو اسی سطح پر جاتی ہے جو سطح ختم نبوت کی ہے۔

فریضۂ حج سے واپسی ہو، ریت تپ رہی ہو بالان شتر کا ممبر ہو ختم نبوت کا ہاتھ ہو کسی کو بلند کیا جائے اور آواز دی جائے کہ اگر میں اولیٰ بالتصرف ہوں تو یہ بھی اولیٰ بالتصرف ولایت، ولایت کو اختیار مل گیا۔ اذن دینے والے نے اذن دے دیا اب اس کی منزل کو دنیا متزلزل نہیں کر سکتی۔ عزیزان گرامی غور سے سنئے۔ اس کے وقار سے بڑھ کر آج کسی کا وقار نہیں۔ انقلابات، حکومت، اقتدار، دولت، تخت و تاج، بڑے بڑے جاہ و حشم والے ختم ہو گئے۔ لیکن ولایت کا چراغ باقی رہ گیا۔ حق کی آواز نہ مٹ سکی لوگ مٹ گئے۔ ظلم فنا ہو گیا۔ لیکن آج تک علی کا نام باقی ہے حسین کا نام باقی ہے۔ خدا کی مرضی تھی کہ یہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ جب تک سلسلہ باقی ہے تذکرہ باقی رہے گا۔

ارشاد ہوتا ہے انی رسول اللہ علیکم۔ رسول فرما رہے ہیں۔ میں اللہ کا رسول ہو کر تمھاری طرف آیا ہوں۔ لوگ نبی پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں دیوانہ ہے مجنوں ہے سودائی ہے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں نے دیکھا کہ عبداللہ کا بیٹا ان کے خداؤں کو برا کہہ رہا ہے۔ بس کیا تھا

آوازیں بلند ہوئیں۔ ہم اس کی جان لے لیں گے مار ڈالیں گے۔ کفر کی طاقتیں ابو طالب کے پاس آئیں ابو طالب سے کہا تمھارا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا کہہ رہا ہے اس کو منع کرو ورنہ برا ہو گا۔ ہم تمھارے خیال سے ابتک خاموش ہیں۔ تم سردار مکہ ہو۔ ہم تم سے جنگ نہیں چاہتے، ابو طالب نے جواب دیا کس کی مجال کہ محمدؐ کو آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ میری زندگی میں اگر محمدؐ پر آنچ آگئی تو تلواریں نکل پڑینگی۔ مکہ کی گلیوں میں خون بہنے لگے گا۔ کفار قریش نے پھر کہا تم راستے سے ہٹ جاؤ بھتیجے کو حوالے کر دو۔ ابو طالب نے پھر کہا کوئی میرے بھتیجے کو ٹیڑھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ ایسے میں دعوت اعلان حق دعوت ذالعشیرہ ہوئی۔ گیارہ برس کے ایک بچے نے آگے بڑھ کر مدد کی اجازت چاہی۔ پہلا محافظ ابو طالب۔ پہلا مددگار ابو طالب کا بیٹا۔ ابو طالب کی زندگی تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ انھیں کوئی آنکھ دکھائے۔ یہاں تک کے ابو طالب کی آنکھیں بند ہوئیں ایک سال تک کسی نے رسول کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ ابو طالب کے بعد باطل نے پھر آستین الٹی گھر کو گھیر لیا۔ آگے آگے ابو لہب اور ابو جہل ہیں۔ آوازیں بلند ہو رہی ہیں کون ہے بچانے والا، محمدؐ کو قتل کر ڈالو۔ باطل اپنی پوری توانائی سے آگے بڑھنے لگا

ابوطالب کے بیٹے نے چادر رسول اوڑھ لی۔ رسول مکہ سے مدینے چلے گئے۔ دنیا نے کہا کہ پھر ابوطالب کے بیٹے نے بچا لیا۔ تھوڑے ہی دن بعد کفار قریش نے جنگ کا ارادہ کر لیا۔ یہ ارادہ جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوا ـــــ ابوسفیان نے کہا ہمیں انصار سے مقابلہ مطلوب نہیں۔ بنی ہاشم کو بھیجو ـــــ ابوطالب کے بیٹے نے جنگ کی صورت بدل دی۔ ۱۱ رمضان کی شام کو بدر کی لڑائی فتح پر ختم ہوئی

احد کی منزل پر پھر نکلا تو ابوطالب کا بیٹا۔ خندق کی منزل پر عمر ابن عبدود نے پکار کر کہا۔ کوئی ہے میرا مقابلہ کرنے والا؟ سب خاموش تھے۔ ایسے میں ابوطالب کا بیٹا آگے بڑھا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جب تک وہ زندہ ہے رسول پر آنچ نہ آنے دے گا۔ جنگ ہوئی دنیا انجام جانتی ہے۔ خیبر کی منزل پر بھی ابوطالب کا بیٹا ہی کام آیا۔ ابوطالب کا بیٹا دنیا کی نگاہوں میں کھٹکنے لگا فقط اس لیے کہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اس نے ہر موقع پر محمدؐ کی مدد کی تھی۔ ہر آڑے وقت اسلام کے کام آیا تھا۔ دنیا ابوطالب کے بیٹے کی دشمن ہو گئی ـــــ آوازیں بلند ہوئیں لوٹ لو ان کو۔ لے لو بدلہ، احد کا، خیبر کا، بدر کا، خندق کا۔ یہی وہ منزل تھی جہاں حدیثیں وضع کی گئیں۔ بنائی گئیں۔ جمع کی گئیں۔ منشا یہ کہ ابھی

ولایت میں فرق آجائے۔ ان کی عزت نہ رہے۔ ان کے فضائل دوسروں سے منسوب کئے جانے لگے۔ مگر صداقت کبھی چھپائے نہیں چھپتی۔ سلسلہ حق کو باقی رہنا تھا۔ مشیت وہ نہیں چاہتی تھی جو دنیا چاہتی تھی۔ سلسلہ دعوت حق ابو طالب کی اولاد میں نسلاً بعد نسلاً باقی رہا۔۔۔ حق و صداقت نے پکار پکار کر کہا تم جو چاہو کر ڈالو۔ مگر ہوگا وہی جو مالک کو منظور ہوگا۔

کوئی آلِ رسول پر عیب نہ لگا سکا۔ ہائے یہ کلمہ گو مسلمان لعنت ہو اپنے لوگوں پر جو اپنے کو مسلمان کہیں۔ زبان نہ رہ جائے ان لوگوں کی جو مسلمان کا دعویٰ کریں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہائے جس رسولؐ کا کلمہ پڑھتے تھے اسی کی اولادوں کو تکلیفیں دیں۔ جملہ سنئے۔ یزید نے بھرے دربار میں محمدؐ کی نواسیوں کو بے پردہ کھڑا کیا اور کہا کہ بدر میں مرے ہوئے عزیز کاش زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے کیا بدلہ لیا۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ کلمہ گو مسلمان۔۔۔ مطلب یہ کہ میرے دروازے پر دنیا جھکتی ہے حکومت ہے اقتدار ہے، انھیں دربدر پھراؤ۔ ان کے سروں سے وارثوں کو ہٹا دو ان کی گودیں خالی کر دو کوئی نگراں نہ رہے، کوئی دستگیر نہ رہے، اور دنیا سمجھ لے کہ یہ رسوا ہو گئے دیکھا آپ نے دنیا کس قدر خود فریبی میں مبتلا تھی۔ اولاد ابو طالب کو